محمد حمیداللہ

امام ابو حنیفہؒ
کی
تدوینِ قانونِ اسلامی

مختلف ملکوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر جگہ ابتداً قبائلی رسم و رواج کا دور دورہ تھا اور کسی معاملے میں رواجی نظیر رہبری کے لئے موجود نہ ہوتی تو کسی معتمد علیہ اور فرزانہ پنچ سے رجوع کیا جاتا اور اس کا فیصلہ قانون کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ ہوتا تھا۔ کسی بستی کے بس جانے اور شہری مملکت کے قائم ہو جانے پر قبائلی وحدتوں کا رواج جلدی ہی سربرآوردہ قبیلے کے رسم و رواج میں ضم ہو جاتا ہے۔ اور اکثر ملکوں میں یہ رسم و رواج کسی بڑے ہیرو کی افسری کے زمانے میں تحریری صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اپنے کو حقیر سمجھنے کا جذبہ اور مرعوبیت بعد والوں کے لئے اس تحریری قانون میں جمود پیدا کر دیتے ہیں اور جب تک کوئی انقلاب انگیز بیرونی اثرات یا خود اس تحریری قانون میں ترقی کر سکنے کے لئے اندرونی لچک نہ رہی ہو تو جلدی ہی وہ قانون از کار رفتہ ہو کر طبعی موت مر جاتا ہے۔

ایک دوسرا رجحان اکثر ممالک میں یہ رہا ہے کہ ابتداءً جملہ شعبہ ہائے حیات چاہے وہ عبادات ہوں یا معاملات یا جرائم و جنایات، مذہبیت کی ہمہ گیر گرفت میں جکڑے رہتے ہیں اور قانون دانی و عدل گستری پجاری کا اجارہ ہوتا ہے مگر رفتہ رفتہ عبادت اپنے تقدس کے

باعث غیر تبدل پذیر ہوجاتی ہے اور سیاست اپنے نت نئے مسائل کے باعث روزافزوں صوابدید پر منحصر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی لئے مذہب اور سیاست میں دوری ہوجاتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کا آغاز شہر مکہ سے ہوا۔ متعدد کاروانی راستوں کا اہم جنکشن ہونے کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں یک نسل باقی نہ رہی تھی، اسماعیلی خاندان عراق یا فلسطین سے آئے تھے۔ خزاعہ یمن کے تھے مکے والوں کے رشتہ داری اور کاروباری تعلقات شہر مدینہ اور شہر طائف سے بھی کافی تھے۔ قُصی کا تعلق شمالی عرب کے قبیلہ قُضاعہ سے تھا۔ قصی کی کوشش اور قابلیت سے قریشی قبائل نے شہر مکہ میں سربرآوردہ حیثیت حاصل کی اور قصی ہی کی سرداری میں ایک زیادہ منضبط شہری مملکت قائم ہوئی جس میں مختلف مذہبی، سماجی، اور انتظامی عہدے موروثی طور پر مختلف خاندانوں میں پائے جاتے تھے[لہ] جہاں تک قانون کا تعلق ہے، حجاز میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم رہنے کے باعث اسلام سے پہلے کسی تحریری مجموعے کا پتہ نہیں چلتا، لیکن قانون معاہدہ اور قانون جرائم وغیرہ کے بہت سے رواجی احکام روایات نے محفوظ رکھے تھے حتیٰ کہ اجنبیوں کے حقوق کے تحفظ اور تصادم قوانین کے نفاذ کے لئے حلف الفضول کے نام سے ایک رضاکارانہ نظام بطور تہدید و تدارک وجود میں آگیا تھا۔ شہر مکہ میں اسی قُصّی کی اولاد میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبر اسلام کی حیثیت حاصل فرمائی۔ مکہ "وادی غیر ذی زرع" ہے اس لئے یہاں کے لوگ عام طور پر تجارت پیشہ ہی تھے۔ تجارت اور کاروانی کاروبار کے سلسلے میں پیغمبر اسلام نے بھی عرب میں یمن اور عمان کا کافی طویل سفر کیا تھا۔ اور عرب سے باہر کم از کم فلسطین جانے کا دوبار پتہ چلتا ہے۔ ایک مرتبہ آٹھ نو سالہ نوعمری میں ضد کرکے اپنے سرپرست چچا کے ساتھ اور ایک مرتبہ خود بطور تجارت پچیس سال کی عمر میں لکھنے پڑھنے سے ناواقف اُمّی ہونے اور یونانی، لاطینی اور سریانی زبانوں کے نہ جانتے کے باعث سوائے قانون و رواج تجارت کو تیز نظری سے دیکھنے کے اس کی کم توقع کی جاسکتی ہے کہ فلسطین میں اس زمانے میں کسی اور چیز سے آپؐ نے دلچسپی لی ہو۔

[لہ] تفصیل میں نے ایک الگ مضمون "شہری مملکت مکہ" میں دی ہے جو اسلامک کلچر میں ۱۹۳۸ء میں اور معارف اعظم گڑھ مئی ۱۹۴۲ء میں چھپا ہے۔ دیکھئے شمارہ ۲۰۱

بہر حال چالیس سال کی عمر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شہر کے ایک جوہر گھرانے کے جونیر رکن تھے اپنے متعلق خدا کے پیغام رساں ہونے کا اعلان فرمایا اور قوم کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ خدا کا جو پیغام آپ کو وحی کے ذریعے حاصل ہوتا تھا۔ اسے آپ فوراً ایک ترتیب سے لکھوا دیتے تھے اس کے مجموعے نے کتاب اللہ اور قرآن کا نام حاصل کیا۔ چونکہ پیغمبر اسلام نے قوم کا بیڑہ اٹھایا تھا اس لئے قوم کے ہر شعبہ حیات کے لئے اس میں رہنمائی کی گئی۔ اور صرف ایک دنیا دی امور کے قانون ہی پر قرآن منحصر نہیں ہو گیا۔

قرآنی پیغام کی تشریح و توضیح اور اصلاح قوم کے سلسلے میں ملک کے بہت سے اچھے اور معقول قدیم رواجات کو آپ نے اپنے متبعین میں جو برقرار رہنے دیا یہ بھی قانون اسلام کا ایک بہت بڑا ماخذ ہے خاص کر اس لئے بھی کہ خود قرآن نے متعدد جگہ اس کا صراحت سے حکم دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا ہر قول و فعل اور ہر امر و نہی واجب التعمیل اور لائق تقلید ہے لیکن یہ سنت نبوی اس باقاعدہ اور مکمل طور سے تحریراً مرتب نہ ہو سکی جو قرآن کے متعلق ملحوظ رکھا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ سنت نبوی میں بھی صرف قانونی احکام نہیں ہیں بلکہ دیگر قسم کے امور بھی ملیں گے۔ قانونی احکام کچھ تو قرآنی اجمال کی تفصیل و تکمیل پر حاوی تھے اور کچھ ملکی اچھے رسم و رواج کے مختلف اجزا کو برقرار رکھنے پر مشتمل تھے۔ پیش ہونے والے مقدمات کے فیصلے روز مرہ نظم و نسق کا تذکرہ، حکام اور افسروں کو ہدایتیں، خصوصی خطبات و اعلانات، غرض بیسیوں قسم کی چیزیں سنت میں ملتی ہیں، دنیا کا کوئی قانون مباح امور کی فہرست مکمل نہیں کر سکتا اچھا اور معقول نظامِ قانون اپنے چند بنیادی خصوصیات کو واجب اور ضروری قرار دے کر اور ممنوعات کی فہرست کو مکمل کر کے باقی تمام چیزوں کو روا[1] قرار دیتا ہے اور جن چیزوں میں بیک وقت متعدد حقوق قائم ہوتے ہیں ان کا تناسب بیان کر دیتا ہے ”اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ“ وغیرہ قرآنی آیتوں سے قانون اسلام میں بھی یہی اصول ملحوظ رہا ہونا ہویدا ہوا ہے ”اِلَّا مَا اضطررتم الیہ“۔ ”لا یکلف

---

[1] ”روا“ یا ”مباح“ کے معنی یہ نہیں کہ اسے ضرور کیا جائے بلکہ وہ ہر شخص کی صوابدید اس کے ذوق سلیم، اس کی ضرورت اور اس کی خصوصی حالات پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور نہ صرف دو آدمیوں کے بلکہ ایک ہی آدمی کے دو مختلف اوقات کے طرز عمل میں ان کے متعلق اختلاف ہو سکتا ہے۔

اللہ نفساً الا وسعھا" وغیرہ سے قانون میں لچک اور حالات کا ساتھ دینے کی قابلیت واجبات وممنوعات سے متعلق بھی پیدا کردی گئیں۔

لیکن بڑا اہم سوال آئندہ کی ترقی کا ہے کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے ان گنت نئے مسائل سے دوچار ہونے پر کیا کیا جائے؟ اس بارے میں امام ترمذی وغیرہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث متعدد ماخذوں سے روایت کی ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل کو سرکاری افسر بنا کر روانہ کیا تو رخصتی باریابی میں حسب ذیل گفتگو فرمائی :۔

اگر کوئی مقدمہ پیش ہو تو کس طرح فیصلہ کروگے؟

جیسا کہ کتاب اللہ میں حکم ہے!

اگر کتاب اللہ میں صراحت نہ ہو تو؟

تو پھر رسول اللہ ؐ کی سنت کے مطابق!

اگر سنت رسول میں بھی نہ ملے تو؟

تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا!

تعریف اس خدا کو سزاوار ہے جس نے اپنے رسول کے فرستادے کو اس چیز کی توفیق دی جسے اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

یہ مکالمہ نہ تو کوئی کاغذی نظریہ بنا رہا اور نہ ہی کوئی انفرادی واقعہ تھا، اہم معاملات میں استصواب، نگرانی اور تصحیح کی ناگزیر ضرورتوں کے ساتھ ساتھ وسیع صوابدید کا حق خود جناب رسالتمآب کی طرف سے افسران قانون کے لئے تسلیم کرلیا جانا، اور ایک دوسرے موقع پر انتم أعلم بامور دنیاکم (تم لوگ اپنے دنیاوی امور کو زیادہ بہتر جانتے ہو) ارشاد فرما کر اپنے خالص جمالیاتی حکم کو منسوخ کردینا ایک انقلابی لیکن فیصلہ کن نظیر تھی جس کے باعث اسلامی قانون کے مستقبل نے اپنے متعلق مکمل اطمینان حاصل کرلیا۔

عہد نبوی مسلمانوں کا دور قانون سازی تھا۔ بعد تعبیر و توسیع کا سلسلہ تو جاری رہا لیکن خالص قانونی احکام کا مجموعہ تیار کرنے کی کوئی سرکاری کوشش نہ ہوئی۔ اگرچہ خلفاء کی سرپرستی بلکہ خود ان کی خواہش پر بعض خانگی مجموعے تیار ہوئے جس کی ایک مثال خود امام مالک کی موطا کا خلیفہ منصور کی خواہش[1] پر مرتب ہونا

---

[1] ابوحنیفہ کی علمیت کا معترف ہونے کے باوجود منصور (حکومت ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) کا ان کی جگہ امام مالک سے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے (دیکھئے زرقانی کی شرح موطا کا مقدمہ) لیکن ان کو کبھی سرکاری طور سے قانون ملک کے طور پر نافذ کرکے عدالتی وانتظامی افسران مملکت کو انھیں کا پابند کردینے کی صورت پیش نہ آئی ایسے مجموعے صرف ایک درسی کتاب کی حیثیت حاصل کرکے جن سے حسب ضرورت حکام عدالت وغیرہ بھی مدد لیتے تھے۔ بہرحال ان کی خانگی کوششوں نے یہی مقصد حاصل کرلیا جو سرکاری اہتمام سے ممکن ہوتا اور کوشش کے خانگی

بقیہ پچھلے صفحہ سے آگے: ۔ تدوین فقہ کی خواہش کرتا تھا تو امام ابو حنیفہ کی پیرانہ سالی کے باعث ہوگا اور اس سے زیادہ ان کی سیاسی بیباکی و آزاد خیالی کے باعث عہد بنی امیہ میں وہ علانیہ انقلاب پسندانہ ہمدردیاں رکھتے تھے چنانچہ جب امام زید بن علی نے ایک سیاسی انقلاب کے لئے جد وجہد کی تو انہوں نے بہت بڑی رقم چندے میں دی تھی، بنی عباس برسراقتدار آئے تو چندے صبر کیا پھر منصور کے خلاف ۱۴۸ھ میں بغاوت ہوئی تو انھوں نے علانیہ منصور کی برائی کی تھی۔ شاید امام مالک نے بھی ابتدًا منصور کی بیعت کے جبری اور بے اثر ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ (سیرۃ النعمان شبلی ص ۵۹ تا ۶۱ لیکن صیمری نے (ورق ۸۰ تا ۷۹) ایک اہم واقعہ لکھا ہے کہ منصور نے ابن ابی ذئب العامری اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک تینوں کو ملا کر یہ سوال کیا تھا کہ ان کی رائے میں وہ خلافت کا اہل ہے یا نہیں ابن ابی ذئب اور امام ابو حنیفہ نے نقصان منصور کے کردار کی خامیاں برملا اس پر ظاہر کردیں لیکن امام مالک نے یہ دلچسپ انداز اختیار کیا۔

لولم یرک اللہ أھلاً لذلک ماقدر اگر خدا تجھے اہل نہ سمجھتا تو وہ تجھے امت کے معاملات کا مالک بنانا
لک ملک امر الامۃ وأزال عنھم من طے نہ کرتا اور نہ امت سے ان لوگوں (کی حکومت) کو دور کرتا
بعد من نبیھم۔ جو ان کے نبی سے (قرابت میں تجھ سے) زیادہ دور ہیں۔

اس ذومعنیٰ فلسفیانہ جواب سے منصور کا اطمینان ہوگیا، اس نے امام مالک کو انعام بھی دیا، اور غالبًا اسی عمدہ تاثر کے باعث جب اسے بغاوتوں سے فراغت حاصل ہوئی اور ایک مجموعۂ قانون ملک کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے امام مالک سے رجوع کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تدوین کی خواہش تک ابو حنیفہ کی وفات ہوچکی اور ابو حنیفہ کی مدونہ قانون کو سیاسی وجوہ سے سرکاری قانون بنانا مناسب معلوم نہ ہوا ہو، ہرحال منصور کی خواہش تھی کہ جملہ قاضیوں کو موطا امام مالک کے مکمل ہونے پر اس کا پابند کردے، قدرت ۔ ابو یوسف کو ہارون رشید کا قاضی القضاۃ بنا دیا تو پایا ہے "مذہب السلطان" ہونے کے باعث ہی سہی (جیسا کہ ذت جلد ۶ ص ۱۲ میں اس کا عرف بتایا گیا ہے) بہرحال شرقی دنیائے اسلام میں حنفی فقہ سرکاری قانون بن گئی۔

ہونے نے آئندہ بھی خانگی علماء کی ہمتیں بلند رکھیں۔ جو تدوین کے سرکاری ہونے کی صورت میں اتنے درخشاں نتائج پیش نہ کرسکتیں میرے ایک فاضل بزرگ اس کی دوسرے الفاظ میں تعبیر و توضیح کرتے ہیں کہ اسلام میں عہد نبوی کے بعد نہ صرف عدلیہ کو تنفیذیہ سے آزاد رکھا گیا بلکہ تشریعیہ کو بھی اس سے بڑھ کر یہ کہ تشریعیہ کو بڑی حد تک خالص غیر سرکاری بنا دیا گیا۔

ہمارا موضوع سخن آج اسلامی قانون کی ایک ابتدائی خانگی تدوین ہے جو دوسری صدی کے تقریباً آغاز سے وسط تک جاری رہی یعنی امام ابوحنیفہ کی کوشش جو ۸۰ھ میں پیدا اور ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

جیسا کہ معلوم ہوا، تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان علمی کام کوفے میں انجام پایا، کوفے کو حضرت عمرؓ اسلام کی پشت پناہ وغیرہ بہت زیادہ تعریف آمیز الفاظ سے یاد کرتے تھے اور یہ بے وجہ نہ تھا۔

کوفے کی آبادی قدیم شہر حیرہ کے قریب بسائی گئی۔ سدِّ مأرب کے ٹوٹنے کے سلسلے میں جب بہت سے یمنی قبیلے شمالی عرب میں ترک وطن کر کے آ بسے تو حیرہ بھی لخمی قبائل کا مرکز بنا اور خاندان مناذرہ نے یہاں جو عرب حکومت قائم کی وہ ایرانی سرپرستی میں ایک خود مختار مملکت تھی جس کا پائے تخت علم و فن کے چرچوں سے صدیوں تک گونجتا رہا اور وہ ایران و عرب کا علم اور اخلاق دونوں حیثیت سے سنگم بنا رہا منذروں کا خاندان آغاز اسلام تک بھی برا جتا رہا لیکن پھر اس علاقے کا الحاق ایران سے ہو کر حیرہ کی حیثیت ایک صوبہ دار شہر کی ہوگئی۔ اتنے میں فتوحات اسلام کے اولین سیلاب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں سپہ سالار خالد بن ولیدؓ نے اس کی ایرانیوں سے گلوخلاصی کرائی۔

حضرت عمرؓ نے جب مملکت اسلامیہ میں جابجا چھاؤنیاں تعمیر کروائیں تو حیرہ کے بالکل قریب ایک خالص عربی شہر بسایا جس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ شہر کا نقشہ اور دیگر ابتدائی حالات کی تفصیل پروفیسر ماسینیون نے ایک مستقل مقالے میں دی ہے (تاریخ طبری ۱۷ھ میں بھی یہ تذکرہ پندرہ بیس صفحوں میں ہے) یہاں ہمیں صرف یہ معلوم کرنا باعث دلچسپی ہوگا کہ اس چھاؤنی میں حضرت عمرؓ نے کوئی بارہ ہزار یمنیوں کو اور کئی ہزار دیگر قبائل کو بھی بسایا۔ ان میں ایک ہزار پچاس صحابی تھے جن میں چوبیس بدری بھی تھے (سیرۃ النعمان شبلی ص ۳۴ بحوالہ بلاذری و معجم البلدان یاقوت)

حیرہ میں پہلے بھی یمنی ہی تھے اور اب کوفے میں تازہ ہزاروں یمنی آ بسے تھے۔ یمن وہ مقام ہے جس کا تمدن عرب میں بڑا قدیم ہے۔ سبا اور بلقیس کے متمدن زمانے کے قصے قرآن نے بھی ذکر کئے ہیں

ان کے ملک میں جتنے کتبے دستیاب ہوئے ہیں، عرب میں کہیں اور نہیں ۔ اس یمن پر عرصے تک یہودیوں کی حکومت اور توریت کی کارفرمائی رہی ہے ۔ اس کے بعد حبش کے عیسائی آئے اور اٹلی کے پادری گرے جنیتوس نے اسکندریہ کے بطریک کے حکم سے یہاں عیسائی قوانین نافذ کئے جن کا مجموعہ مخطوطے کی صورت میں ویانا میں اب تک محفوظ ہے[1] ۔ عیسائی حبشیوں کا دور ایرانی حملہ کے ذریعے سے ختم ہوا اور اس کے بعد ایرانیوں نے اسلام کے لئے جگہ خالی کی ۔ اس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ یمن تہذیب و ثقافت کے نقطہ نظر سے کتنے کثیر دریاؤں کا سنگم بنا اور کتنے دلچسپ روایات وہاں کے تمدن میں سرایت کر گئے ۔

انہیں یمنیوں سے کوفہ آباد ہوا لیکن یہی نہیں ۔

صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے رسول خداؐ نے اپنی زندگی ہی میں ان کو مدینہ منورہ میں مفتی مقرر فرمایا تھا کہ جس کسی کو کسی مسئلے کے متعلق قانون اسلام دریافت کرنا ہو، عام طور سے انھیں سے رجوع کرلے اور یہ واحد شخص ہیں، جو خود رسول اللہؐ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے[2] ۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے عمر میں دس پندرہ سال چھوٹے تھے اس طرح حضرت ابوبکرؓ کے شاگرد کہے جا سکتے ہیں ان دونوں میں اتنی گہری دوستی تھی کہ اکثر یکجا ساتھ رہتے، کوئی کام کرنا ہوتا تو مل کر کرتے[3] عہد رسالت کے بعد خلافت صدیقی میں دونوں کا اشتراک عمل اور باہمی مشورہ اور بھی زیادہ ہو گیا ۔ شاید اسی ہم مزاجی کو ہجرت سے بھی پہلے جب مکے میں مواخاۃ اولی قائم کی گئی تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی میں بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا[4] اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ علوم صدیقی نے علوم فاروقی کے ساتھ امتزاج حاصل کر لیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابتداءً انھیں

---

[1] دیورژے (Desverger) کی فرانسیسی کتاب عرب (Arabie) ص ۱۷ حاشیہ ۔ ان یہودیوں کو اس کا پابند کیا گیا کہ اپنی لڑکیاں کسی یہودی کو بیاہ نہ دیں بلکہ صرف عیسائی کو دیں ۔ ایضاً بحوالہ فرانسیسی تاریخ
de Bas-Empire مولفہ Saint Martin Hist کتاب ۵۳

[2] کتاب التراتیب الاداریہ المسمیٰ نظام الحکومۃ النبویہ للکتانی ج ۱ ص ۵۳

[3] مغازی الواقدی (مخطوطہ برٹش میوزیم) ورق (۱۰۳) سیرۃ شامیہ غزوہ خندق ۔

[4] کتاب المحبر مولفہ ابن حبیب اللہ باب المواخاۃ (مخطوطہ برٹش میوزیم)

بزرگوں سے تعلیم پائی، پھر براہ راست جناب رسالت سے تفقہ کرتے رہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تعریفی سند حاصل فرمائی کہ جسے قرآن سیکھنا ہو وہ عبداللہ بن مسعود سے سیکھے[1]۔ ان کی ذہانت اور قابلیت دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اُن کو کوفے میں معلم بنا کر بھیجا[2] اور یہ وہاں کی جامع مسجد میں فقہ کا درس دیتے رہے۔ ان کے شاگردوں میں یمن ہی کے دو فاضل علقمہ اور اسود نخعی (ف ۷۵ھ) نے امتیاز حاصل کیا اور کوفے میں حضرت ابن مسعود کے جانشین بنے علقمہ کے شاگردوں میں ابراہیم نخعی ایک اور یمنی نے مسجد کوفہ میں درس فقہ کا سلسلہ جاری رکھا اور جب ابراہیم نخعی کی وفات ہوگئی تو حماد بن ابی سلیمان نے جو غالبًا ایرانی تھے کوفے کی درس گاہِ فقہ کو مزید شہرت عطا کی۔ ابوحنیفہ انھیں حماد کے شاگرد اور جانشین ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں۔ حضرت علیؓ بھی جو انا مدینۃ العلم وعلی بابھا کے خطاب سے بارگاہ نبوی سے سرفراز ہوئے تھے[3]۔ وہ بھی آخری عمر میں کوفہ چلے آئے اور اس طرح حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے علوم کوفے میں جمع ہوگئے۔

مزید براں یہ کہ مدینہ منورہ میں توسیع فقہ کے لئے شوریٰ اور اجماع کا ادارہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خاصا منظم کردیا تھا۔ اس دور کے فیض یافتہ تابعین میں سے "فقہاء سبعۃ" نے جلدی ہی بڑا امتیاز پیدا کرلیا تھا اور ان سات ماہرین کی کمیٹی نے ایک طرح سے قانون سازی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ سخاوی نے[4] وضاحت سے بیان کیا ہے کہ خود قاضی بھی مدینہ منورہ میں اس مجلس ہفت گانہ سے مشورہ لیتے تھے۔ اور اس کے فتوے کے پابند تھے۔ ان لوگوں کے نام قابل ذکر ہیں۔

---

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر ۵۳۶؍۱ ۔

[2] ایضًا

[3] یہ حدیث زبان زد عام تو ہے لیکن صحاح میں سے صرف ترمذی میں "انا دار الحکمۃ وعلی بابھا" کے الفاظ میں وارد ہے اور ترمذی نے اسے "حدیثِ منکر" قرار دیا ہے۔

[4] فتح المغیث للسخاوی ص ۳۹۹ تا ۴۰۰ ۔

(۱) ماہر قرآن وحساب ومیراث حضرت زید بن ثابت کے بیٹے خارجہ (جو طلحہ بن عبداللہ بن عوف کے اشتراک عمل سے تقسیم وراثت کے مقدمات فیصلہ کرتے اور معاہدات کی دستاویزیں لکھتے)

(۲) حضرت ابوبکر کے پوتے قاسم

(۳) حضرت زبیر کے بیٹے عروہ

(۴) بی بی میمونہ یا بی بی ام سلمہ کے مولا سلیمان بن یسار

(۵) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

(۶) سعید بن المسیّب

(۷) عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے ابو سلمہ یا حضرت عمر کے پوتے سالم یا ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام القرشی ۔ اس ساتویں رکن کے تعین میں اختلاف ہے اور تین نام لئے جاتے ہیں تو تینوں مشہور فقیہ تھے ۔ ممکن ہے مذکورہ بالا چھ میں سے بعض کے انتقال پر دوسرے ارکان اس کمیٹی میں شریک کر لئے گئے ہوں ۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے زمانے کی دنیائے اسلام کے اکثر اہم مرکزوں میں تعلیمی سفر اختیار کیا اور خاص کر مکہ اور مدینہ کئی دفعہ گئے اور مجلس ہفت گانہ فقہاء سبعہ کے جو ارکان زندہ تھے ان سے خوب فیض حاصل کیا تھا ۔ اسی طرح حضرت علی کے خاندانی سلسلے کے ممتاز ارکان امام محمد باقر اور امام جعفر صادق اور امام زید بن علی زین العابدین سے بھی سالہا سال استفادہ کیا اور آخر میں کوفے ہی میں متوطن ہو کر وہیں فقہ کا درس دیتے رہے ۔

ان حالات میں کوئی حیرت نہ ہو اگر سفیان بن عُیینہ نے اپنے زمانے کے حالات کو دیکھ کر یہ کہا ہو کہ "اگر کوئی غزوات (تاریخ اسلام) کی تعلیم پانا چاہتا ہے تو اس کا مرکز مدینہ منورہ ہے اور کوئی مناسک حج کی مہارت پیدا کرنی چاہتا ہے تو مکہ اور اگر فقہ چاہتا ہے تو کوفہ[1]

رسول عربی نے اپنی دہ سالہ مدنی زندگی میں جس سیاست کی بنیاد ڈالی تھی اور خاص کر آخری

---

[1] مناقب ابی حنیفہ للصیمری مخطوطۂ استنبول (فوٹو در احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد) ورق ۹۱ ع نیز معجم البلدان یاقوت ذکر کوفہ ۔

سالوں میں ایران اور روم کے لئے جو کارروائی شروع کی تھی اس کو آپ کے جانشینوں نے جاری رکھا اور جب عراق و شام و مصر بھی شہر مدینہ کے نظام مرکزی میں منسلک ہو گئے تو ناگزیر یہ بہت سے صحابہ ان مفتوحہ علاقوں میں جا متوطن ہو گئے اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے جو فقہی مذہب رائج ہیں وہ زیادہ تر تین ہی صحابہ کے مکاتب کی روایت کے حامل ہیں یعنی حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ۔

حضرت ابن مسعودؓ جیسا کہ بیان ہوا کوفہ جا بسے تھے جو نو آباد اور خالص عربی شہر تھا۔ اگر عراق میں واقع اور ایرانی تمدن کے اثرات سے گھرا ہوا تھا۔ اور ان کے تعلیمی سلسلے کی براہ راست پیداوار علقمہ نخعی پھر ابراہیم نخعی پھر حماد اور پھر ابوحنیفہ ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ زیادہ تر حجاز میں رہتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں اُن کے مولا نافع نے بڑا امتیاز حاصل کیا۔ امام مالک انہی کے شاگرد تھے اور مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ امام مالک کے شاگرد امام شافعی اور امام شافعی کے شاگرد امام احمد حنبل تھے۔

حضرت علی پیغمبر اسلام کے چچا زاد بھائی، پروردے اور داماد تھے زیادہ تر مدینے میں رہے آخری عمر میں سیاسی ضرورتوں سے کوفے جا رہے تھے۔ ان کی تعلیم کا ایک خاندانی سلسلہ بھی چلا اور جملہ شیعہ مذاہب اسی کی شاخیں ہیں۔

جناب رسالت (ف ؁۱۱ھ)

ابن مسعود الہذلی (ف ؁۳۲ھ)	ابن عمر (فوت ؁۷۳ھ)	علی (ف ؁۴۰ھ)
علقمہ نخعی (ف ؁۶۲ھ)	نافع (ف ؁۱۱۷ھ)	حسین (ف ؁۶۱ھ)
ابراہیم نخعی (ف ؁۹۵ھ)	مالک (ف ؁۱۷۹ھ)	علی زین العابدین (ف ؁۹۴ھ)
حماد (مولی اشعری، ف ؁۱۲۰ھ)	شافعی (ف ؁۲۰۴ھ)	زید (ف ؁۱۲۲ھ) محمد باقر (ف ؁۱۱۴ھ)
ابوحنیفہ (ف ؁۱۵۰ھ)	احمد حنبل (ف ؁۲۴۱ھ)	جعفر صادق (ف ؁۱۴۸ھ)

یہ نہ خیال کیا جائے کہ یہ مختلف مکاتب ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہے اور بالکل علیحدہ ترقی کرتے رہے بلکہ اس زمانے کا رواج تھا کہ ہر بڑا عالم بیسیوں اساتذہ کے درس میں شریک رہا اور ان کی تربیت سے فیض یاب ہوا ہوتا۔ مثال کے طور پر بعض عقیدت مند سوانح نگاروں نے امام ابوحنیفہ کے شیوخ کی تعداد ہزاروں تک پہنچا دی ہے۔ بہرحال یہ امر قابل ذکر ہے امام ابوحنیفہؒ

کے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات نہ صرف زیدیہ مذہب کے بانی امام زید بن علی زیدالعابدین سے تھے[1] بلکہ امامیہ مذہب کے بانی جعفر صادق اور ان کے والد محمد باقر کے بھی کہتے ہیں کہ وہ بہت دن تک شاگرد رہے۔ امام مالک سے بھی ان کی ملاقاتیں اور افادے اور استفادے کے لئے مباحث رہتے تھے امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید اور حنفی مذہب کے مشہور امام محمد شیبانی نے بھی امام مالک سے عرصے تک تعلیم پائی تھی یہی حال امام شافعی کا تھا۔ یہ نہ صرف امام مالک کے شاگرد رشید تھے بلکہ امام ابوحنیفہ کے دو بڑے شاگردوں محمد شیبانی اور وکیع سے سالہا سال درس لیا تھا اور محمد شیبانی کی اونٹ بھر کتابیں (حمل بختی کتباً) انھوں نے نقل کی تھیں[2]۔ غرض جب تک یہ مکاتب تعصبات کا شکار نہ ہوگئے باہم افادہ اور استفادہ جاری رہا اور فراخدلی اور آزاد خیالی کا ملاپ ان کا مسلک تھا۔ لیکن بعد میں ایسے زمانے آگئے کہ شیعوں اور سنیوں ہی نہیں شافعیوں اور حنبلیوں میں تک آپس میں خونریز جھگڑے ہونے لگے اب اس پس منظر کے ساتھ دیکھو تو حنفی شافعی ہی نہیں سنی شیعہ فقہ بھی مخصوص فرقہ وار فقہ نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کی مشترکہ فقہ ہے اور خاص کر ابتدائی صدیوں میں فرقہ وار اساتذہ اپنے فرقہ تک محدود نہیں رہتے تھے خود جس چیز کو حنفی فقہ کہتے ہیں اس میں ابوحنیفہ کے اقوال پر مشکل سے پندرہ فیصد امور پر عمل ہوتا ہوگا۔ اور جس طرح سے شافعی و مالکی فقہ حنفی فقہاء سے متاثر ہوتی رہی ہے، حنفی فقہ کی بھی جزئیات میں ترمیم غیر حنفی اثرات سے محسوس و غیر محسوس دونوں طریقوں سے ہر زمانے میں ہوتی رہی۔ اسی لئے ہم نے اس مقالے کا عنوان ابوحنیفہ کی تدوین فقہ حنفی نہیں بلکہ فقہ اسلامی رکھا ہے۔

قرآن کو خود جناب رسالتؐ نے مدون کرایا۔ آثار نبوی یا حدیث کو لکھنے کی بہت ہی کوششیں مختلف صحابہ نے جناب رسالت کی زندگی میں بھی کیں اور آپ کے بعد بھی اور جن صحابہ نے لکھنے کو اہمیت نہ دی وہ بھی اپنے معلومات زبانی طور سے نوعمر نسلوں میں منتقل کرتے رہے۔ اس میں تخصیص بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ ہفتے میں ایک دن تفسیر پر

---

[1] مناقب موفق ۱/۲۶۰ مناقب کردری ۱/۲۵۵ ۔

[2] صیمری ورقہ ۴۲/ب ذہبی کی مناقب محمد شیبانی ورق ۴

ایک دن غزوات نبویہ پر اپنے طلبہ کو لکچر دیتے تو باقی دنوں میں مختلف دیگر آثار نبویہ یا علوم اسلامیہ پر جہاں تک فقہ کے موجودہ مفہوم کا تعلق ہے اور جس میں عبادات، معاملات اور حدود و تعزیرات یعنی سزائیں داخل ہوتی ہیں، عہد نبوی سے ہی اس کو لکھنے کی کوشش شروع ہو چکی تھی۔ فتح مکہ کے وقت جناب رسالت نے جو احکام و اصول سے لبریز خطبہ دیا تھا وہ خود جب جناب رسالت کے حکم سے لکھ کر ابو شاہ نامی ایک صحابی کو دیا گیا تھا۔ کہ اپنے ملک میں اس کو لے جاکر دستور العمل بنائیں (بخاری) عمرو بن حزم کو یمن کا گورنر بناتے وقت جناب رسالت نے جو طویل تحریری ہدایت نامہ دیا اسے بھی تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ زکات کے سرکاری محاصل جو غلے، جانوروں اور نقد رقم وغیرہ پر وصول کئے جاتے تھے۔ ان کا نصاب بھی تحریر کر کے محصلین زکات کو دیا جاتا تھا۔

حضرت ابن عباس (فوت ۶۸ھ) کے پاس کسی شخص نے ایک مرتبہ ایک کتاب پیش کی تھی جس میں حضرت علی کے فتوے یکجا کئے گئے تھے۔ حکام عدالت کے فیصلوں کی نقلیں بھی محفوظ رکھی جاتی ہوں گی۔ جس کا امام ابو یوسف وغیرہ کے زمانے سے پتہ چلتا ہے۔ جو صحابہ اپنے طلبہ کو فقہ کی تعلیم دیتے تھے اس کی یادداشتیں بھی لی جاتی رہی ہوں گی۔ امام زید بن علی (ف ۱۲۲ھ) کی طرف فقہ میں ایک کتاب المجموع منسوب ہے جو اب چھپ کر دستیاب ہونے لگی ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس بحث کا خاتمہ نہیں ہوا کہ یہ کتاب امام زید کی لکھی یا املا کرائی ہوئی ہے یا ان کے لیکچروں کو ان کے کسی شاگرد نے بعد میں خود مرتب کیا ہے؟ اگر وہ امام زید ہی کی ہے تو پھر یہ امر دلچسپ ہوگا کہ اس تدوین کا خیال انھیں کس طرح پیدا ہوا؟ اس کی ترتیب ابواب میں انھیں سے مدد ملی؟ اور ان کا طریقۂ کار کیا تھا؟ اور آیا وہ انفرادی کوشش تھی یا اشتراک و تعاون کا نتیجہ تھا؟

احادیث نبوی کو فقہی ابواب میں مرتب کرنے کی کوشش امام مالک (ف ۱۷۹ھ) کی موطا سے بھی قبل امام ابن الماجشون (ف ۱۶۴ھ)[1] نے کی لیکن سوائے زرقانی کی شرح موطا کے دیباچے میں نام کے

---

[1] گولت سیہر کو محمدانشے اشودئین ج۲ ص۲۲۰ دھوکہ ہوا ہے اور العامری محمد بن عبدالرحمن مشہور بہ ابن ابی ذئب کو سب سے قدیم موطا نویس قرار دیا حتی کہ ان کی وفات کسی سہو سے ۱۲۰ھ لکھ دی ان کی وفات اصل میں ۱۵۹ھ میں ہوئی۔ یہ غلطی تحقیق مزید نہ کرنے سے گولت سیہر کے حوالے سے بروکلمان نے تک،
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حوالے کے اس کا اب کوئی پتہ نہیں چلتا امام مالک کی تالیف اسی کی اصلاح اور اس کے جواب میں تھی۔ یہ خیال کیا جاتا رہا ہے کہ اولاً خالص حدیث کے مجموعے تیار ہوئے پھر فقہی احکام کی حدیثیں الگ مرتب ہونے کے بعد آخر خالص فقہی کتابیں تیار ہوئیں۔ لیکن میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ خالص حدیث کے بعد خالص فقہ کی کتابیں لکھی گئیں، تو ردعمل کے طور پر قانونی احادیث کے مجموعے تیار ہوئے امام زید بن علی، امام ابوحنیفہ اور ابن الماجشون (ف ۱۶۴ھ جنہوں نے صرف روایات مدینہ جمع کرکے ایک کتاب شائع کی) اور دیگر اہل الرائے نے ایک مکتب خیال قائم کیا جس کے پیرؤوں نے بعد میں غلو پیدا کیا تو بطور ردعمل اہل حدیث نے سنت کی پیروی پر زور دینے کے لئے فقہی احکام کی حدیثیں الگ مرتب کیں۔

امام مالک (ف ۱۷۹ھ) وغیرہ چند ہم عصروں کی موطاؤں کو اسی تحریک کا آغاز سمجھنا چاہیئے اور صحیح بخاری کو اس کی انتہا۔

جب مملکت کے استحکام اور امن وامان کے ساتھ قانونی احکام کی روز افزوں وسعت وکثرت ہونے لگی تو ان کے مجموعوں کی ضرورت حکومت نے بھی محسوس کرنی شروع کی اور غالباً علماء نے بھی مذکورۂ بالا مختصر پس منظر سے فوراً معلوم ہوسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ (ف ۱۵۰ھ) کی کوششیں فقہ کو مدون کرنے کے متعلق اپنی نوعیت کی اولین نہ تھیں لیکن اُن کے کام کی وسعت تنوع اور فنی خصوصیات کے باعث ان کی کوششیں اوروں سے زمانے میں متاخر ہونے کے باوجود ہر نقش ثانی کی طرف زیادہ دلکش ہیں اور انھیں کا مختصر ذکر مطلوب ہے۔

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطیٰ (یا زوطرہ) کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ ان کے متعلق بڑا اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ نسلاً کون تھے؟ کوئی عرب بتاتا ہے تو کوئی ایرانی، کوئی افغانی کابلی بتاتا ہے تو کوئی باپ کو ایرانی اور ماں کو سندھی۔ تاریخ بغداد (ع ۲۹۷ ص ۳۲۵) میں خطیب نے علاوہ

(بقیہ صفحہ ۱۶)، (جرمن تاریخ ادبیات عربی (صا ص ۶۵ تا ۶۶) اصلی مع ضمیمہ جدید) دہرادی ہے ان دونوں نے حوالہ زرقانی کا دیا ہے لیکن زرقانی نے ابن ابی ذئب کی جگہ ابن الماجشون کو تقدم عطا کیا ہے اور امام مالک کا پیشرو قرار دیا ہے ابن ابی ذئب کی طرف ایک موطا منسوب کی ہے اور کوئی اور امر بیان نہیں کیا ہے چونکہ یہ امام مالک سے زیادہ معمر تھے اس لئے ممکن ہے انہیں نے موطا پہلے تالیف کی ہو۔

بقیہ صفحہ ۱۸ پر

کابل، بابل انبار، ترمذ اور نسا کے ایک، روایت ان کے نبطی ہونے[1] کی بھی درج کی ہے نبطی عموماً یہودی ہوتے تھے۔ اور بعض وقت کسان پیشہ بھی بلا لحاظ قومیت۔ ہمیں اس بحث سے زیادہ دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اسلام نے شعوب وقبائل کی نسبت کو باہم تعارف اور پہچانت کی حد تک تو جائز رکھا ہے ورنہ اس اجازت کے ساتھ ہی اس نے کہہ دیا ہے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اگر اس بحث کی تکمیل اور تحقیق سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ قانون اسلام کی تدوین یا ارتقاء پر امام ابوحنیفہ کے ذریعے سے کون سے بیرونی اثرات پڑے تو وہ بھی لاحاصل ہو گی کیونکہ چاہے ان کے دادا ایک آزاد کردہ غلام نومسلم ہی کیوں نہ رہے ہوں خود ان کی آنکھ مسلمان گھرانے میں کھلی تھی، ماحول خالص اسلامی ملا اور زندگی زیادہ تر کوفے۔ مکے یا بغداد کے اسلامی شہروں میں گذری گو وہ فارسی ضرور جانتے تھے (مناقب الامام الاعظم مولفہ الموفق ج۲ ص۵۵ تا ۵۶) اور ان کے اساتذہ میں عطاء بن ابی رباح نوبیہ کے حبشی تھے۔ عکرمہ مولا ابن عباس بربر کے تھے، مکحول شامی یا مصری یا کابلی تھے اور عربوں کے علاوہ مختلف نسلوں کے عجمی مسلمانوں سے بھی تعلیم پائی تھی، تجارت غالباً ان کا آبائی پیشہ تھا۔ بہرحال ہم ان کو ریشم کے کپڑوں کا کاروبار عمر بھر کرتا پاتے ہیں اور زمانہ طالب علمی میں بھی ان کو "موسر" (مالدار) کہا جاتا دیکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں انہیں تعلیم کا نہ تو شوق تھا اور نہ موقع ملا تھا۔ اور وہ اپنی ذہانت و توانائی بازار ہی میں صرف کرتے تھے۔

شعبی ایک مشہور محدث گذرے ہیں۔ ان کی مردم شناس آنکھ نے ہونہار ابوحنیفہ کا جوہر تاڑ لیا اور ایک دن پوچھ ہی لیا کہ صاحبزادے تم کسی سے تعلیم پاتے ہو؟ اور جب کاروبار کا نام سنا تو فرمایا کہ تم غفلت نہ کرو اور علم حاصل کرنے اور علماء کے ساتھ بیٹھنے پر نظر رکھو کیونکہ میں تم میں ایک بیداری اور حرکت پاتا ہوں (موفق ص ۱/۵۹) حساس دل پر بے غرضانہ خلوص کا فوراً اثر ہوتا ہے چنانچہ انھوں

(بقیہ صفحہ ۱۷) لہ ذہبی کی مناقب ابی حنیفہ میں (جس کا نایاب مخطوطہ کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد میں ہے) ان کا نسب نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہے بعض روایتوں میں زوطی بن ماہ کا جو نام ملتا ہے وہ شبلی (سیرۃ النعمان) کی رائے میں بعد میں نعمان بن مرزبان ہو گیا۔ زوطی کے لفظ کا ہندوستانی "جاٹ" سے بھی ممکن ہے کچھ تعلق ہو

[1] ابن سیرین کو ابوحنیفہ پر چوٹ کرنی ہو تو "نبطی زادہ" ہی کہا کرتے تھے (صیمری ورق ۵۵)

نے اب اعلیٰ تعلیم پر توجہ کی اور یکے بعد دیگرے بہت سے اساتذہ کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہو کر اپنی پسند کا معلم انتخاب کرنے لگے (موفق ۱/۶۴)

بعض بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شروع میں علم کلام سے دلچسپی ہوئی جو اس زمانے میں نیا نیا رواج پذیر ہوا تھا اور آپ نے کافی درک بھی پیدا کر لیا تھا لیکن ایک کسی بڑھیا نے ان سے روز مرہ کا کام کوئی معمولی سا مسئلہ پوچھا تو اس میں یہ کورے نکلے (صیمری ورق ۱۱۸) اس سے ان کے دل کو بڑی چوٹ لگی کہ وہ علم ہی کس کام کا کہ غیر محسوس امور کے متعلق تو زمین آسمان کے قلابے ملائیں اور روزمرہ کی ضرورتوں کے احکام سے نابلد رہیں۔

ایک بعد کے زمانے میں ان کے ایک شاگرد ہیثم بن عدی السطائی نے ان سے پوچھا تھا کہ علوم تو بہت سے ہیں آپ نے فقہ کا کیوں انتخاب کیا تو انہوں نے کہا تھا " میں بتاؤں۔ توفیق تو خدا کی طرف سے ہوئی اور تعریف کا مستحق واہل تو وہی ہے، بہرحال جب میں نے علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو سب ہی علم، اپنے سامنے رکھے اور سب کو تھوڑا تھوڑا پڑھا اور پھر ان کے انجام اور نفع پر غور کیا۔ چنانچہ میں نے علم الکلام کو لینا چاہا تو نظر آیا کہ اس کا انجام بُرا ہے اور منفعت تھوڑی اور اگر کوئی شخص اس میں کمال بھی پیدا کرے اور لوگوں کو اس کی ضرورت پڑے تو بھی وہ اعلانیہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ورنہ اس پر ہر قسم کے الزام لگائے جاتے ہیں اور اسے بُرا کہا جانے لگتا ہے۔ پھر میں نے ادب اور نحو پر غور کیا اس کا انجام صرف یہ نظر آیا کہ کسی بچے کا معلم بن سکوں۔ پھر میں نے شاعری پر غور کیا تو دیکھا کہ اس میں مدح اور ہجو اور جھوٹ اور دین کی مخالفت کے سوا انجام کچھ نہیں۔ پھر قرأت پر غور کیا تو اس میں کمال کا انجام یہ نظر آیا کہ کچھ نوجوان میرے پاس پڑھنے آئیں گے اور قرآن اور اس کے معنوں پر کچھ کہنا بڑی ٹیڑھی چیز ہے۔ میں نے کہا کہ حدیث پڑھوں تو دیکھا بہت سی حدیثیں جمع کر کے لوگوں کے لئے اپنی احتیاج پیدا کرنے میں بڑی عمر لگے گی اور جب یہ چیزیں حاصل بھی ہو جائے تو شاید صرف نوعمر ہی میرے پاس آئیں اور ممکن ہے کہ مجھ پر جھوٹ یا بھول کا الزام لگائیں اور قیامت تک وہ میری بدنامی کا باعث ہو جائے۔ پھر میں نے فقہ پر غور کیا اور جتنا زیادہ غور کیا اتنا ہی اس کی عظمت وجلالت ذہن نشین ہوتی گئی اور اس میں کوئی عیب نظر نہ آیا اور میں نے دیکھا کہ ایک تو اس طرح ہمیشہ علماء، فقہاء، مشائخ اور اہل نظر کی ہمنشینی حاصل ہو گی اور ان کے اخلاق سے متصف ہونے کا موقع ملے گا اور دوسرے یہ بھی نظر آیا کہ اس کے جاننے

کے بغیر نہ تو مذہبی فرائض کی ادائی ٹھیک ہو سکتی ہے نہ دینی امور انجام پا سکتے ہیں اور نہ عبادت کی جا سکتی ہے۔ یوں بھی اگر گھر میں یا رشتہ داروں میں یا محلے میں کوئی مسئلہ پیش آئے تو لوگ مجھ سے پوچھیں گے اور اگر میں جواب نہ دے سکوں تو کہیں گے کہ پوچھ کر بتلا دو اور اگر میں کسی سے پوچھوں تو وہ معاوضہ کی توقع کرے گا۔ غرض اگر فقہ سے دنیا حاصل کرنا چاہے تو اعلیٰ ترین مراتب پر پہنچنے کے امکانات ہیں اور اگر کوئی عابد اور عزلت گزین بننا چاہے تو پھر کوئی یہ اعتراض نہ کر سکے گا کہ بے جانے بوجھے عبادت میں لگ گیا ہے بلکہ یہی کہا جائے گا کہ علم حاصل کر کے اس کے مطابق کیا ہے"۔

(موفق ص ۱/۵۷ تا ۵۸) تاریخ بغداد (ع ۷۲۹۲ ص ۳۳۱ تا ۳۳۲) میں خطیب نے یہی روایت یوں بیان کی ہے کہ انھوں نے احباب سے مشورہ کیا اور مختلف علوم کے نتائج اور خامیوں بھی انھیں نے ابو حنیفہ کو بتائیں تھیں۔ بہرحال جب امام ابو حنیفہ نے فقہ پر توجہ کی تو شہر کوفہ کے مختلف اساتذہ کے حلقہ ہائے درس میں حاضر ہوتے گئے۔ مگر سوائے حماد بن ابی سلیمان کے کوئی نظر میں نہ جچا، چنانچہ ان کی وفات تک برابر ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے رہے (موفق ص ۱/۶۴)

حضرت ابن مسعود نے حضرت عمر کے حکم سے بطور معلم کوفے میں آ کر سکونت اختیار کر کے درس و تدریس کا جو اہم سلسلہ شروع کیا تھا اسے علقمہ پھر ابراہیم نخعی اور ان کے بعد حماد جیسے ممتاز فقہاء نے جاری رکھا تھا اور خود امام ابو حنیفہ کے الفاظ میں جو انہوں نے خلیفہ منصور سے کہے تھے، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس کے علوم کا سنگم اس مدرسے میں ہو گیا تھا (صیمری ورق ۴۸/ا۔ب) جس کے باعث اس مکتب نے خاص وقار حاصل کر لیا تھا۔ اب حماد کی وفات پر خوف ہوا کہ کہیں یہ نام مٹ نہ جائے اور یہ سلسلہ ٹوٹ نہ جائے۔ پہلے حماد کے قابل بیٹے اسماعیل کو مسند نشین کرنے کی خواہش ہوئی، لیکن انھیں فقہ سے زیادہ شاعری اور تاریخ سے دلچسپی تھی آخر حماد کے شاگردوں نے باہم مشورہ کیا۔ اور سب کی نظر اپنے کمسن شریکِ درس ابو حنیفہ کے سوا کسی پر نہ جمی اور سبھوں نے انھیں کو مجبور کرنا شروع کیا۔ انھوں نے کہا بھائیو! مجھے عذر نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ تم میں سے کم سے کم دس پورے سال بھر میرے درس میں موجود رہا کرو۔ انھوں نے یہ ایثار منظور کیا کہ ہم جماعت کے شاگرد بنیں اور اس طرح اس حلقہ درس کو عوام میں ایک وقار حاصل ہو گیا اور لوگ کھنچے چلے آنے لگے۔ ابو حنیفہ نے اپنے اخلاق اور اپنی دولت سے بھی اچھا کام لیا، شاگردوں وغیرہ میں سے غربا کی

امداد اور خوش باش لوگوں کو تحفے تحائف دینے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ اس طرح رفتہ رفتہ کوفے کی جامع مسجد میں ان کا حلقہ درس سب سے بڑا حلقہ بن گیا۔ اور ان کی ذہانت کے چرچے پھیل گئے۔ چونکہ وہ خود خوشحال تھے اور علمی انہماک کے سوا دنیاوی جاہ و منصب کی خواہش نہ رکھتے تھے اس لئے سرکاری حلقوں میں بھی ان کی وقعت بڑھتی چلی گئی (موفق ص ۱/ ۶۶، ۷۰ تا ۷۲)

شہرت سے ہمعصروں کو حسد پیدا ہوا کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے ہم عصر بھی اس سے مستثنا نہ رہ سکے خاص کر شہر کے قاضی اور کوتوال ان سے بہت جلتے تھے کیونکہ بسا اوقات ان کے فیصلوں پر ابوحنیفہ تنقید کر کے غلطیاں نمایاں کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ بغداد کے قاضی نے شہر کی ایک پیشہ ور طوائف کو آمادہ کیا کہ امام ابوحنیفہ کو کسی بہانے اپنے گھر بلائے اور رات کو وہ مصیبت زدہ بن کر آئی اور اپنے بستر مرگ پر پڑے ہوئے شوہر کی تلقین کے لئے بلایا، دردمند امام گلیوں میں سے گذر کر اس کے گھر پہنچے تو پہلے سے تیار پولیس نے ان کو گرفتار کر کے طوائف کے ساتھ رات بھر حوالات میں رکھا کہ ان کا چالان کر کے غیر ثقہ اور آئندہ گواہی کے ناقابل قرار دیا جائے۔ ابوحنیفہ رات بھر حسب عادت نوافل اور عبادت میں مصروف رہے۔ اس کو دیکھ کر تھوڑی ہی دیر میں طوائف سخت پشیمان ہوگئی اور پورا واقعہ بیان کر کے معافی چاہی۔ کسی طرح ابوحنیفہ کی بیوی بھی پتہ چلا کر بڑی رات گئے حوالات آئیں تو طوائف بڑی خوشی سے ان سے کپڑے بدل کر وہاں سے رخصت ہوگئی۔ صبح کو ابوحنیفہ مع اپنی بیوی کے عدالت میں پیش ہوئے اور عدالت کو مجبوراً انہیں عزت سے بری کرنا پڑا (موفق ص ۱/ ۱۷۰، ۱۹۱)

حمید طوسی (کوتوال) نے۔ اور ایک روایت میں افسر تعارف شاہی (حاجب) ربیع نے ایک دن منصور کے سامنے ابوحنیفہ سے یہ خطرناک سوال کیا کہ وقت بوقت ہم کو خلیفہ قتل وغیرہ سزاوں کے نفاذ پر مامور کرتا ہے اور ہمیں مقدمات کے حالات کا علم نہیں ہوتا کہ سزا منصفانہ ہے یا ظالمانہ۔ ایسی صورت میں ہم حکم کی تعمیل کریں یا نہیں؟ ابوحنیفہ نے جرح کی کہ "تمہاری رائے میں خلیفہ منصفانہ حکم دیتا ہے یا ظالمانہ؟" اس نے کہا "منصفانہ"۔ ابوحنیفہ نے کہا "تو منصفانہ احکام کی فوراً تعمیل کرو۔ اس میں ثواب ہے" اور اس طرح عملی سوال کو علمی بنا کر خودداری کی لاج رکھی (صیمری ورق ۵۰/ب، مناقب مولفہ ذہبی بر موقع)

مشہور مورخ ابن اسحاق کی بھی امام ابوحنیفہ سے کبھی نہیں بنتی تھی۔ ایک دن وہ اور ابوحنیفہ دونوں خلیفہ منصور کے پاس موجود تھے۔ ابن اسحاق نے موقع دیکھ کر کہا "امیر المومنین یہ شخص کہتا ہے کہ حضور

کے جدِ امجد حضرت ابن عباس نے اس مسئلے میں غلطی کی تھی جب یہ کہا تھا کہ کوئی شخص قسم کھا کر بعد میں کسی وقت بھی انشاء اللہ کہے تو قسم کی پابندی باقی نہیں رہتی اور کہتا ہے کہ انشاء اللہ قسم کے ساتھ فوراً کہنا چاہیئے“ ابو حنیفہ نے جواب دیا ”امیر المومنین یہ شخص کہتا ہے کہ آپ کی فوج پر آپ کی اطاعت واجب نہیں۔ کیونکہ سپاہی بیعت کا حلف لینے کے بعد گھر میں جاکر انشاء اللہ کہہ دیتے ہیں۔ خلیفہ ہنس پڑا، اور ابو حنیفہ عزت کے ساتھ گھر واپس آئے۔ (موفق ص ۱/۱۴۳ تا ۱۴۴ کردری ص ۱/۱۸۴

امام ابو حنیفہ کو ایک بڑھیا کے سامنے فقہ کی ایک معمولی روزمرہ کے مسئلے کے متعلق جو خفت برداشت کرنی پڑی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اثر ان کے دل پر ہمیشہ رہا، چنانچہ فقہ میں درک حاصل کرنے حماد کا جانشین بننے اور بہت سے شاگرد فراہم ہو جانے کے بعد انھوں نے اپنی دیرینہ دلی آرزو پوری کرنے کی کوشش کی اور چاہا کہ مختلف ابواب کے مسائل مرتب کریں۔ چنانچہ انھوں نے اسلام کی بنیاد یعنی نماز سے آغاز کیا اور اس پر ایک رسالے میں بہت سے احکام جمع کیئے اور اس کا نام کتاب العروس رکھا۔ (موفق ص ۱/۶۷ تا ۶۸)

اس رسالے کی مقبولیت سے ہمت پا کر انھوں نے چاہا کہ مزید ابواب کے مسائل مرتب کریں کہ یک بیک ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو ہر راسخ العقیدہ مسلمان کو بے چین کر دینے کے لئے کافی ہے، چنانچہ ابو حنیفہ نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر اسلام کی قبر کو کھود کر اندر کی ہڈیاں چوطرف پھینک رہے ہیں، تعبیر خواب کے فن کے بعض ماہرین[1] نے بتایا کہ ایسا خواب دیکھنے والا پیغمبر اسلام کے علوم کو زندہ کرکے چار دانگ عالم میں پھیلائے گا۔ اس پر ابو حنیفہ بہت خوش ہوئے اور گوشہ گزینی چھوڑ کر دوبارہ فقہ کا درس دینے اور تدوین کا کام جاری رکھنے پر آمادہ ہوئے (موفق ۱/۶۷ تا ۶۸)

اس کا پتہ چلتا ہے کہ ہر انقلابِ حکومت کے وقت نئے حکمران ملک کی اقلیتوں کو ہمنوا بنانے کی کوشش کرتے ہیں (تاریخ طبری ص ۲۱۰۶ کے مطابق) حضرت ابوبکرؓ نے تک سپہ سالار خالد بن ولیدؓ کو عراق میں اسی کا حکم دیا تھا ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کا خاتمہ ہوا تو کوئی تعجب نہیں کہ عباسیوں نے بھی ایسا

---

[1] عام طور پر بصرہ کے امام ابن سیرین کا اس سلسلے میں نام لیا جاتا ہے مگر شبلی نے (سیرۃ النعمان ص ۵۵ میں) اس پر اعتراض کیا ہے کہ ابن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی اور امام ابو حنیفہ کو یہ خواب حماد کی وفات (۱۲۰ھ) کے بعد ہوا ہوگا۔ بہرحال کسی نے تعبیر کی ہوگی۔ خواب بھی آغاز تعلیم فقہ پر نظر آیا ہو سکتا ہے اور ابن سیرین نے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ہی کیا ہو۔ بہرحال اس کا پتہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے زمانے میں ذمیوں، یعنی یہودیوں، نصرانیوں، پارسیوں وغیرہ کے تعلقات مسلمانوں سے اچھے تھے اور بعض ذمی غریب مسلمانوں کی مالی مدد وغیرہ کرتے تھے تاکہ رسوخ حاصل کریں اور بعض مسلمان ایسی امداد کے قبول کرنے کو ہتک اور تقوے کے خلاف سمجھتے تھے (موفق ص ۱/۲۲۶)۔

ایسے دوستانہ تعلقات کے زمانہ میں یہ ناگزیر نہیں تو ناممکن بھی نہیں ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں وغیرہ میں دوستانہ بحثیں بھی ہوا کرتی ہوں اور کیا تعجب ہے کہ مسلمانوں کو طعنہ دیا گیا ہو کہ تمہارا قانون مدون ہی نہیں ہے اور ہمارا قانون باقاعدہ مرتب شدہ موجود ہے ممکن ہے کہ ایسے ہی کسی طنز پر امام ابوحنیفہ نے پورا اسلامی قانون مرتب کرنے کی کوشش کی ہو۔ ضرورت بہت دن سے تھی، باعث کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ بہرحال کیوں قانون اسلامی کو مدون کیا؟ اس کا جواب سوائے قیاس آرائی کے نہیں دیا جاسکتا کیا کام کیا؟ اس سے سب لوگ واقف ہیں کس طرح وہ کام انجام دیا اس پر کچھ مواد یہاں فراہم کیا گیا ہے۔

ابھی ہم نے دیکھا کہ حماد کی وفات پر ابوحنیفہ کوفے میں فقہ کا درس دینے لگے تھے۔ ان کا طریقہ تعلیم چند ایک منتشر بیانات سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اعمش ایک مشہور فقیہ گذرے ہیں۔ ان سے اگر کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو وہ کہتے جاؤ اس حلقے میں بیٹھو، یعنی ابوحنیفہ کے پاس کیونکہ اگر کوئی مسئلہ پیش آتا ہے وہ اس پر باہم بحث کرتے ہیں حتی وہ خود روشن ہوجاتا ہے (مناقب کردری ۲/۳)

ابن عیینہ مشہور محدث تھے۔ ایک دن وہ گذرے تو دیکھا کہ امام ابوحنیفہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد میں ہیں اور خوب غل مچی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا "ابوحنیفہ یہ مسجد ہے یہاں آواز نہ اٹھنی چاہیئے" ابوحنیفہ نے کہا انہیں چھوڑ دو بھی اس کے بغیر وہ سمجھتے نہیں (کروری ۲/۷۴)۔

ایک دن یہ سوال تھا کہ بلوغ کس عمر میں سمجھا جائے۔ اس دن تیس شاگرد موجود تھے۔ ابوحنیفہ نے سب سے پوچھا کہ وہ کب بالغ ہوئے؟ اکثر نے اٹھارواں سال بتایا اور چند نے انیس۔ اس پر انھوں نے مرد کا بلوغ اکثریت کے تجربے پر اٹھارہ سال میں مقرر کیا۔ (موفق ۱/۸۲))

ایک دن کسی نے فقہ کا درس اور قیاس آرائی دیکھی تو فقرہ کس دیا کہ "قیاس سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا" (مراد یہ تھی کہ خدا نے جب حضرت آدم کو سجدے کا حکم دیا تو آتشی مخلوق کو خاکی مخلوق سے افضل قیاس کر کے ابلیس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا) ابوحنیفہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور

کہا بھلے مانس تم نے بے محل بات کہی ہے۔ ابلیس نے خدا کے حکم کو ٹھکرایا تھا۔ اور ہم ایک مسئلے کو دوسرے پر صرف اس لئے قیاس کرتے ہیں اسے قرآن و سنت یا اجماع امت کے اصول کا تابع کریں اور اسی کی کوشش کرتے ہیں (اور خدا کے حکم کی) پیروی چاہتے ہیں پھر یہ اور دونوں ایک کیسے ہوئے۔ (موفق ۱/۸۱)

ایک اور دن کسی نے ان کے اجتہاد کرنے پر اعتراض کیا تو کہا ”میں قرآن ہی کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم ملے۔ اگر اس میں نہ ملے تو رسول کی سنت پر عمل کرتا ہوں اور ثقہ لوگوں کے ذریعے سے جو حدیث نبوی ملے اس کو لیتا ہوں۔ اگر قرآن میں حکم نہ ملے اور نہ سنت نبوی میں تو آپ کے صحابہ کے اقوال پر نظر ڈالتا ہوں۔ اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو خود کسی ایک کو ترجیح دیتا ہوں لیکن اگر صحابہ اور غیر صحابہ میں اختلاف ہو تو صحابہ کے قول کو ہرگز نہیں چھوڑتا۔ ہاں جب رائے ابراہیم اور شعبی اور حسن بصری اور ابن سیرین اور سعید بن المسیّب وغیرہ وغیرہ کی ہو تو جس طرح ان کو اجتہاد کا حق ہے مجھے بھی ہونا چاہیئے“۔ (موفق ۱/۸۹)

محمد بن ابی مطیع کہتے ہیں کہ میرے باپ نے کوئی چار ہزار مشکل سوالات مرتب کئے جو ہر باب سے متعلق تھے یا واقعات پیش آچکے تھے وہ اپنا سوال بدلاکر ابو حنیفہ سے جوابات پوچھا کرتے تھے۔ ابو حنیفہ نے کہا ”ابو مطیع کیا ایسے بہت سے سوالات ہیں؟“ کہا تقریباً چار ہزار۔ ابو حنیفہ نے کہا ”میری مشغولیت کے وقت یہ چیزیں نہ پوچھو دریافت اس وقت کرو جب میں فارغ رہوں“ چنانچہ وہ ابو حنیفہ کی فراغت کے انتظار میں رہا کرتے تھے اور رفتہ رفتہ تمام سوالات ختم کر دیئے۔ (موفق ۱/۱۴۱، ۱۴۲)

ابو حنیفہ کا قول ہم نے ابھی سنا کہ وہ فقہی سوالات کے حل کرنے میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے ان کا قرآنی مطالعہ ظاہر ہے کہ بہت وسیع ہونا چاہیئے۔ وہ حافظ تو تھے ہی، شروع شروع میں روزانہ پورے قرآن کا ختم کر لیا کرتے تھے لیکن بعد میں جب اصول کے استخراج اور مسائل کے استنباط میں مشغول ہو گئے تو بھی تین دن میں ایک ختم ضرور کر لیتے تھے (موفق ۱/۲۲۴)

حقیقت میں ان کو قرآن سے عشق معلوم ہوتا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ جب کبھی کسی نہایت دقیق مسئلے پر غور کرنا ہوتا تو وہ تخلیے میں اپنے تین مخصوص شاگردوں کو لیتے جن میں سے ایک خوش الحانی سے کچھ آیات کی تلاوت کرتا پھر ابو حنیفہ ان سے اس مسئلے میں باہم بحث کرتے۔ (موفق ۱/۹۶)

ابو بکر معصتی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ تین سال تک ابو حنیفہ کے پڑوس میں رہا میں رات بھر اُن کو نماز میں قرآن پڑھتے سنتا اور دن بھر اپنے شاگردوں سے فقہی مسائل کی بحث کے شور و غل میں

پاتا۔ میں نہیں جانتا وہ کھاتے کب اور سوتے کب تھے (موفق ۱/۲۵ دیگر شہادت موفق ۱/۲۵۱)

کوفے کی مسجد میں وقف کی چار سو دواتیں طلبہ کے لئے ہمیشہ رہتی تھیں (موفق ۲/۱۴) اور یقیناً ابو حنیفہ کے سینکڑوں ہی شاگرد ہوئے ہوں گے۔ امام سیف الائمہ سائلی کا بیان ہے کہ ابو حنیفہ کے ایک ہزار شاگرد تھے، جن میں چالیس خالص فضیلت و جلالت رکھتے تھے بلکہ اجتہاد کے درجے تک پہنچ چکے تھے۔ ابو حنیفہ ان کو خاص طور سے عزیز رکھتے تھے اور ان کو تقرب حاصل تھا۔ ایک دن انھوں نے ان چالیس شاگردوں سے کہا کہ تم میرے سب سے جلیل القدر ساتھی اور میرے دل کے راز داں اور میرے غمگسار ہو۔ میں فقہ کی اس سواری کو زین اور لگام لگا کر تمھارے سپرد کر چکا ہوں۔ اب تمھیں چاہیئے کہ میری مدد کرو لوگوں نے مجھے دوزخ کا پل بنا دیا ہے کہ دوسروں کو تو سہولت ہوتی ہے اور بوجھ میری پیٹھ پر رہتا ہے۔ (موفق ۱/۳۳)

ان چالیس طلبہ میں سے مختلف ایسے علوم و فنون کے بھی ماہر تھے۔ جن سے فقہ میں مدد ملتی مثلاً تفسیر، حدیث و سیرت، بلاغت و بیان، صرف و نحو، لغت و ادب، منطق، ریاضی و حساب وغیرہ وغیرہ خود ابو حنیفہ عملی معاشیات اور تجارتی کاروبار کا وسیع تجربہ رکھتے تھے اور علم کلام وغیرہ سے بھی ابتدائے تعلیم میں خوب واقفیت پیدا کر چکے تھے۔ (مبسوط سرخسی ۱/۲ تا ۳ موفق ۲/۳۳، ۳۳، ۷۲) ۔

ایک حدیث میں ہے کہ "خدا علم کو یک بیک اٹھا نہیں لیتا ہے بلکہ علماء کی موت کے ذریعے سے اس کو چھین لیتا ہے اور جاہل لوگ سردار بن جاتے ہیں جو ناسمجھی سے احکام دیتے ہیں"۔ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اس حدیث سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ علماء تو ہیں لیکن علم منتشر ہے اور خوف ہے کہ ناخلف نسلیں آئندہ اسے ضائع نہ کر دیں۔ اسی لئے انھوں نے فقہ کے مسائل کو باب وار مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا۔ (موفق ۱/۳۴، ۲/۱۳۶)

اس مجلس تدوین فقہ میں ہم کو بڑے بڑے نام ملتے ہیں، امام ابو یوسف، امام محمد شیبانی اور امام زفر کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے، عبداللہ بن مبارک اور فضیل بن عیاض اور داود بن نصیر جیسے عابد و زاہد بھی اس میں شریک تھے۔ وکیع جیسے ماہر تفسیر بھی تھے، حسن بن زیاد جیسے فقیہ اور حفص جیسے ماہر حدیث بھی تھے، ان کے علاوہ خارجہ بن معصب سے ابو حنیفہ اکثر مشورہ کرتے (موفق ۱/۲۲۲) اور عافیہ نامی شاگرد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ فقہی غور و خوض میں شریک رہا کرتے تھے اور اگر کسی دن وہ نہ ہوتے

تو ابو حنیفہ کہتے کہ بحث کو ابھی **مکمل** نہ سمجھو چنانچہ عافیہ آکر بحث کے نتیجے سے **اتفاق** کر لیتے تو پھر اس کو ختم سمجھا جاتا (جواہر عبدالقادر ۳۰/۲) انھیں میں یحییٰ بن زکریا، حبان، مندل، قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن بن حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے نام بھی ملتے ہیں (موفق ۱/۳۲) -

ابو حنیفہ کا طریقہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مسئلہ پیش کرتے اور ہر ایک کے **معلومات** اس کے حل کے لئے دریافت کرتے اور اپنی رائے بھی پیش کرتے اور مہینہ بھر بلکہ اس سے بھی زیادہ دیر تک مناظرہ جاری رہتا اور جب کسی رائے کے دلائل پوری طرح واضح ہو جاتے تو پھر ابو یوسف اس کو لکھ لیتے (موفق ۱/۳۴ کردری ۱/۵۴) اور دیگر ائمہ کے برخلاف امام ابو حنیفہ نے **انفرادی** کوشش اور استبدادی رائے کی بجائے اپنے مذہب کو مشورے پر منحصر کر دیا تھا۔ (حوالہ ایضاً) ایک مرتبہ کسی نے کہا سے ایک **خاص مسئلے** کے متعلق پوچھا کہ صحابہ کرام تک اس کے متعلق ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے تھے آپ کیسے **قطعی** رائے ظاہر کرتے ہیں؟ امام ابو حنیفہ نے کہا کیا یہ خیال کرتے ہو کہ میں نے یوں ہی رائے **قائم** کر لی ہے؟ میں نے خاص اس مسئلے پر پورے بیس سال غور و فکر کیا ہے اس کی **مماثل** چیزیں ڈھونڈیں اور ہر صحابی کے قول کی اصول مسلمہ پر جانچ کی (کردری ۱/۱۵۰، ۱۵۱) -

ایک دفعہ انھوں نے قیاس کا اصول یوں بیان کیا تھا کہ قیاس ہر ایک چیز میں نہیں چلتا۔ قیاس صرف ان چیزوں میں چلتا ہے جن سے رائے کا ادراک ہو سکتا ہے قیاس کسی طرح **ارکان دین** کے ثابت کرنے اور اسباب و علل میں نہیں چلتا بلکہ صرف احکام کے ثبوت کے لئے چلتا ہے (کردری ۱/۱۴۴)

اس طرح ابواب تدوین ہوتی گئی اور انھوں نے سب سے پہلے وضو اور طہارت کا باب رکھا کیونکہ ایمان کے بعد ہر وقت اسی کی ضرورت رہتی ہے (کردری ۱/۵۲)

اس باب وار تدوین اور کتاب وار ترتیب میں طہارت کے بعد نماز پھر روزہ پھر یکے بعد دیگرے تمام عبادات کا ذکر کیا۔ عبادات کے بعد معاملات کے ابواب رکھے اور سب سے آخر میں ترکہ و میراث کا ذکر کیا۔ طہارت و نماز کا ذکر اس لئے مقدم کیا وہ سب سے اہم اور سب سے عام عبادت ہے۔ اور معاملات کو عبادت کے بعد رکھا کیونکہ اصل میں کسی شخص پر معاملات کی کوئی پابندی نہیں ہوتی - اور ہر شخص بری الذمہ ہوتا ہے (جب تک کہ اس کا خصوصی ثبوت نہ ملے) اور وصیت اور میراث کو سب سے آخر میں رکھا کیونکہ وہ انسانی احوال میں سب سے آخری چیزیں ہیں (موفق ۱/۱۶۴)

کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کیں۔ ان سے پہلے اس پر مستقل بحث کسی نے نہ کی تھی۔ (موفق ۱/۳۵)

قانون بین الممالک کو بھی انھوں نے ایک مستقل چیز قرار دیا اور کتاب السیر مرتب کی جس میں قوانین جنگ و امن سے بحث تھی اور اس کو تاریخ سے الگ کر کے فقہی چیز قرار دیا۔ اس میں معصر محققین خوب چھڑیں اور امام اوزاعی نے اس کی تردید لکھی ابویوسف نے اس کا جواب لکھا (اور یہ آخری رسالہ الرد علی سیر الاوزاعی کے نام سے اب حیدرآباد میں چھپ چکا ہے) محمد شیبانی نے بھی سیر صغیر لکھی اور سیر کبیر جو اتنی بڑی تھی کہ ایک گاڑی میں ڈال کر لے جائی گئی۔ تاکہ ہارون الرشید کو تحفہ میں دی جائے۔ (مقدمۂ ناشر الرد علی سیر الاوزاعی لابی یوسف نیز شرح السیر الکبیر للشیبانی ص۱ میں سرخسی شارح کی تمہید)

ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس چہل گانہ کے علاوہ ایک مختصر تر دس آدمیوں کی ایک کمیٹی بھی تھی۔ محمد بن وہب جو پہلے اہل حدیث سے تھے بعد میں ابوحنیفہ کے معتقد ہو گئے۔ وہ اس کمیٹی کے رکن تھے اور ان دس آدمیوں ہی نے فقہی ابواب مدون کئے تھے۔" (کردری ۱/۱۸۵، ۱۸۶ - صیمری ورق ۸۴/ب تا ۸۵)

صیمری نے ایک خاص الخاص مجلس چہل گانہ کا ذکر ان الفاظ میں [illegible]ا ہے کہ" ابوحنیفہ کے حلقے میں ہمیشہ رہنے والے دس تھے لیکن جس طرح لوگ قرآن کے حافظ ہوتے ہیں اس طرح فقہ کے حافظ ان میں چار ہی تھے"۔ زفر، یعقوب، اسد بن عمرو اور علی بن مسعر" (صیمری ورق ۵۴/۱)

حضرت عبداللہ بن مبارک مستقل طور سے کوفے میں رہ سکتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہ کی ایک ہی کتاب کو کئی کئی بار تحریر کرتا تھا۔ کیونکہ اس میں اضافے ہوتے رہتے تھے جس کو لکھ لیا کرتا تھا۔ ان کی زفر سے بڑی دوستی تھی اور کوفہ آکر انھیں سے ابوحنیفہ کی کتابیں مستعار لیتے اور نقل کر لیتے تھے (موفق ۲/۹۸ صیمری ورق ۱۰۳/ب)۔

ابوحنیفہ کی فقہی کتابوں کا مطلب اصل میں ان لکچروں کی یادداشتیں ہیں جو مختلف ابواب فقہ میں ہوتے تھے۔ اور جو ان کے شاگرد مرتب کرتے رہتے تھے محمد شیبانی کے متعلق جو بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ستائیس ہزار مسائل قیاسی طور سے مدون کئے تھے (کردری ۱/۱۵۹) ان میں بہت کچھ ان کے استاد کے لکچروں سے بھی ماخوذ ہوگا امام مالک کا بیان ہے کہ ابوحنیفہ نے ساٹھ ہزار مسائل میں رائے

ظاہر کی تھی۔ (موفق ۱/۹۶) بعض لوگوں نے اس کی تعداد کو پانچ لاکھ تک پہنچا دیا ہے۔ (موفق ۱/۹۶)

چونکہ سیرت النبیؐ خاص کر غزوات کے ذکر کے متعلق ابوحنیفہ کے زمانے میں اتنی احتیاط اور چھان بین نہیں کی جاتی تھی جتنی عام حدیث کے متعلق اس لئے وہ اہل سیرت کے متعلق بدگمان سے رہتے تھے اور اپنے شاگردوں کو منع کرتے تھے کہ ابن اسحاق جیسے ماہر فن سے تک نہ ملیں۔ لیکن جب ان کے بعض شاگردوں نے عذر کیا۔ سیرت دانی کے بغیر مقدم و موخر اور ناسخ و منسوخ سوانح نبوی معلوم نہیں ہو سکتے اور سیرت کے مبادی نہ معلوم ہونے سے بڑے سے بڑا فقیہ بھی مضحکہ خیز غلطیاں کر جاتا ہے تو حق پسند ابوحنیفہ چپ ہو گئے (موفق ۲/۱۳۱، ۱۳۲ کردری ۲/۱۳۷) اور ابوحنیفہ کے دونوں سب سے بڑے شاگرد ابو یوسف اور محمد شیبانی تو واقدی جیسے مقابلۃ افسانہ نویس سے تاریخ و سیرت میں مدد لینے میں حرج نہیں سمجھتے تھے (موفق ۲/۲۳۹ کردری ۲/۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۱)

امام شافعی جیسے ماہر فن نے کیا خوب کہا ہے کہ لوگ پانچ آدمیوں کے محتاج ہیں جو مغازی نبویؐ میں تبحر چاہتا ہے وہ ابن اسحاق کا محتاج ہے، جو فقہ میں تبحر چاہتا ہے وہ ابوحنیفہ کا محتاج ہے (ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں "جو قیاس و استحسان میں تبحر چاہتا ہے" (موفق ۲/۳۱ نیز صیمری ورق ۱۱/ب) جو شاعری میں تبحر چاہتا ہے وہ زہیر کا محتاج ہے، جو تفسیر میں تبحر چاہتا ہے وہ مقاتل بن سلیمان کا محتاج ہے اور جو صرف و نحو میں تبحر چاہتا ہے وہ کسائی کا محتاج ہے (موفق ۲/۹۷)

اس سرسری تذکرے کے آخر میں ایک سوال کا جواب بے محل نہ ہوگا کہ کس حد تک اسلامی فقہ کی تدوین میں بیرونی اثرات ہیں؟۔

ایک طرف ہمارے یورپی مولف ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی اچھی چیز کسی مشرقی سے ممکن ہی نہیں ان کا بیان ہے بلکہ ادعا ہے کہ اسلامی فقہ صرف قانون روما کی معرب شکل کا نام ہے اور وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ مجھے علم نہیں کہ بیرون ہند مسلمان ماہرین قانون نے حالیہ زمانے میں اس پر کچھ تحقیق کی ہو۔ ہند کی حد تک امیر علی اور عبدالرحیم نے باوجود اپنی اعلیٰ قابلیتوں کے اس بارے میں کوئی محنت اور کوشش نہ کی اور قانون اسلام پر اپنی تالیفوں میں "ممکن ہے کہ" اور "شاید کہ" وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ چند سطروں میں یورپی مولفوں کے خیالات کو ہی ذرا نرم پیرائے میں دہرا دیا ہے۔

ایک طرف یہ اور دوسری طرف ہمارے بعض قدامت پرست مولفوں کو قانون روما کے نام سے اتنی چڑ ہوگئی ہے کہ اس سے واقفیت پیدا کئے بغیر اس کے وجود سے انکار کر بیٹھے ہیں۔ اردو کے ایک مشہور مؤلف سے جن کا نام لینے کی ضرورت نہیں، یہ لکھنے کی توقع نہ تھی کہ قانون روما صرف ایک ایک سطری بارہ اصولوں کا نام ہے۔ مجلس دہگانہ کا مرتب کردہ بارہ الواح کا ابتدائی رومی قانون تک بارہ جملوں سے کہیں زیادہ پر مشتمل ہے۔ بعد کے زمانہ میں گایوس اور جسٹی نین کے تدوین کردہ مجموعہ ہائے قانون بھی کافی ضخیم ہیں۔ اگر فقہ پر قانون روما کا اثر پڑا تو فقہ کی قیمت گھٹ نہیں جاتی اور اگر اثر نہیں پڑا تو اس کی موجودہ قیمت میں کوئی اضافہ نہیں ہو جاتا۔ بیرونی اثرات کو نہ تو ہوّا بنا دینا چاہیئے۔ ڈھکوسلا بلکہ واقعات کو دیکھنا چاہیئے کہ اصل میں کس طور سے پیش آئے تھے۔ میں اوپر اشارۃً بیان کر چکا ہوں کہ فقہ کی توسیع وارتقاء میں بیسیوں بیرونی ماخذوں سے مدد لی گئی ہے۔ قرآن وحدیث نے جن چیزوں کو حرام کر دیا اسے کسی بیرونی اثر نے جائز نہیں بنایا اور جو چیزیں واجب قرار دی گئی تھیں بیرونی اثرات کبھی ان کو مسلمانوں کے نزدیک ناجائز نہیں قرار دے سکتے۔ صرف جن چیزوں سے قرآن وحدیث ساکت تھے ان کے متعلق معقول رواجات جو قرآن وحدیث کے الفاظ اور روح کے خلاف نہ تھے قبول کئے گئے یا جاری رہنے دیئے گئے۔ خود قرآن نے حضرت عیسیٰ و موسیٰ وغیرہ ایک درجن سے زائد پیغمبروں کا نام لے کر آخر میں حکم دیا کہ فَبِهُدٰاهم اقتده (ان کی ہدایت پر چلو) اسی طرح جب پیغمبر اسلام کے متعلق لکم فی رسول اللہ أُسوۃ حسنۃٌ کے الفاظ استعمال کئے تو بعینہٖ یہی الفاظ حضرت ابراہیم کے متعلق بھی اور عام طور پر دیگر پیغمبروں کے متعلق بھی قرآن نے استعمال کئے۔ توریت وانجیل وغیرہ کی قانونی حیثیت قرآن نے تسلیم کی تو ان کے متعلق پیغمبر اسلام کا یہ طرز عمل بخاری ترمذی وغیرہ میں مروی ہے کہ اگر کسی بات کے متعلق آپ کو راست وحی نہ آتی تو آپ اہل کتاب کے رواج پر عمل کرنا پسند کرتے، مسند احمد بن حنبل میں ایک اور دلچسپ حدیث غیر اہل کتاب کے متعلق یوں مروی ہے کہ "یُعمَلُ فِی الاسلام بفضائل الجاهلیة" (اسلام میں زمانہ جاہلیت کی اچھی باتوں پر عمل کیا جائے گا) حج جیسے رکن اسلام کے متعلق کون نہیں جانتا کہ وہ بجنسہٖ زمانہ جاہلیت کا ادارہ ہے جس کی اسلام میں نامناسب اور مشرکانہ رسمیں حذف کر دی گئیں اور یہ کہنا دشوار ہے کہ زمانہ جاہلیت کی جن چیزوں کو اسلام نے برقرار رکھا وہ سب کی سب انبیاء سلف اور خاص کر حضرت ابراہیمؑ کی سنت تھیں۔ خون بہا کے سو اونٹ کے متعلق سب جانتے ہیں کہ عبدالمطلب

نے ایک کاہنہ کی تجویز پر قبول اور رائج کئے گئے تھے۔ غرض اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ خود مشرک عربوں کے اپنے رواجات میں بھی کچھ معقول چیزیں ہوں جن کو اسلام نے جاری رہنے دیا۔ عہد نبوی کے بعد مسلمان مختلف ممالک میں پھیلے تو ان کو ناگزیر نئی نئی ضرورتوں اور نئے نئے رواجات سے سابقہ پڑا۔ اور فقہاء نے یقیناً ان میں سے چند کو جو معقول تھے اور جو قرآن و حدیث کے غیر معارض جاری کیا رہنے دیا کہ قبول کر کے فقہ کا جز بنا دیا۔ ان حالات میں اگر غریب قانون روما کا بھی کچھ اثر پڑا تو کون سی نئی بات ہوگی؟ میں تو کہتا ہوں کہ شام و مصر کے ابتدائی فقہاء نے رومی رواجات قبول کئے ہوں گے تو عراق و ایران کے فقہا نے ایرانی رواجات، اسپینی فقہاء نے اندلسی اور گاتھک [illegible]اجات اور ہندی فقہاء نے دھرم شاستر سے متاثر رواجات۔ یقیناً یہ تمام رواجات صرف ان چیزوں کے متعلق قبول کئے گئے جن کے متعلق قرآن و حدیث خاموش تھے اور جن کے خلاف کوئی صریح حکم نہیں تھا۔ فقہاء نے یہ رواجات معقول اور قیاساً درست سمجھے اور قرآن و حدیث کے مطابق ہونے کے باعث قبول کئے جب ہم یہ سب ماخذ تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں تو خود ہی یہ سوال حل ہو جاتا ہے کہ قانون روما کا حصہ کتنا تھا۔

لیکن اسی قدر نہیں۔ بعض اور چیزیں وضاحت چاہتی ہیں۔ اسلامی قانون کو مکے اور مدینے کے رواجات سے سب سے پہلے سابقہ پڑا، خاص کر مدینے میں یہودی کثرت سے رہتے تھے مکے کے لوگ تجارت کے لئے جہاں شام و مصر حبشہ جاتے تھے، وہیں وہ عراق، یمن اور عمان بھی جاتے تھے۔ شام و مصر میں رومی اور عراق میں ایرانی حکومت کے قوانین سے وہ دوچار ہوتے تھے۔ یمن جس نے بعد میں اسلامی قانون کی ترقی میں بڑا حصہ لیا ہے ایسا علاقہ تھا جس میں نہ صرف ایک اس کا اپنا نہایت قدیم تمدن تھا، بلکہ وہ یکے بعد دیگرے اسلام سے کچھ ہی پہلے یہودیوں، حبش، رومیوں اور ایرانیوں کی حکومت میں رہ چکا اور ہر ایک سے کچھ نہ کچھ تاثرات حاصل کر چکا تھا۔ حجاز، یمن، بحرین، عمان وغیرہ ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر اندرون عرب بے شبہہ اجنبی اثرات ناپید سے تھے لیکن عہد نبوی میں اسلامی مملکت نے بیرون میں پھیلنے کا جو آغاز کیا وہ دس پندرہ ہی سال بعد حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مغربی چین سے لے کر اندلس کے کچھ حصے تک پہنچ گئی اور اس وسیع مقبوضہ علاقے میں صرف رومی قانون رائج نہ تھا بلکہ بہت سے دیگر مستقل تمدن بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے عراق میں قدیم ایراقی قانون مالگزاری باقی رہنے دیا تھا، جیسا کہ مسعودی کا بیان ہے اور کوئی تعجب نہیں جو شام و مصر میں رومی نظام ہی باقی رکھا گیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے خاص کر چنگی وغیرہ مسائل کے لئے حکم دے رکھا تھا کہ بیرونی مسافروں سے وہی

برتاؤ کیا جائے جو ان کے ملک میں مسلمان مسافروں سے متعلق ملحوظ ہو۔

خصوصی معاہدات کے ذریعے سے بھی قانون انتظامی کے مختلف اجزا خلافت راشدہ اور اُس کے بعد ہمیشہ نافذ ہوتے رہے کوفہ شیعیت کا مرکز تھا اور یہ ایرانی علاقے میں تھا۔ بنی امیہ برسرِاقتدار آئے۔ تو شیعی امام زیادہ تر حجاز میں رہے وہاں رومی اثرات معدوم کہے جا سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ وہ ایرانی النسل ورنہ کم از کم ایرانی الوطن تھے اور ان کی زندگی زیادہ تر کوفہ، بغداد کے غیر رومی علاقوں میں گزری اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ قانون روما کا راست یا بالواسطہ کبھی اس میں عربی ترجمہ ہوا ہو قانون اسلام سے بیرونی اثرات کو کم کرنے کے لئے ابتدا ہی سے ایک انقلابی اصول قرآنی احکام کے تحت نافذ کر دیا گیا تھا کہ ہر مذہب کے لوگ اپنے قانون شخصی کے پابند رہیں اور ان کو عدل گستری ان کی اپنی خصوصی عدالتوں میں ان کے اپنے ہم مذہب حکام کے ہاتھوں ہو اور اسلامی قانون کے وہ پابند نہ ہوں۔

میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کم از کم ابتدائی فقہی کتابوں کی ترتیب ہی قانون روما کے مماثل ہو قانون روما زمانہ قبلِ مسیح ہی سے عبادات کو معاملات سے الگ کر چکا تھا اور بنیادی معاملات کا قانون اشخاص، اشیاء اور ضابطہ persons. things & actions کے تین حصوں میں تقسیم ہوتا بھی ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ ابوحنیفہ کی ترتیب عبادات، معاملات جنایات کے تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی جس میں قوانین عمومی یعنی دستور اور انتظام مملکت بھی شامل تھے اور ان کی یہ ترتیب رومی قانون کی ترتیب سے بنیادی اختلاف رکھتی ہے۔ ابوحنیفہ کا زمانہ بنی امیہ کے آخری اور بنی عباس کے ابتدائی دور پر مشتمل تھا اور ابھی یونانی علوم و فنون کا زیادہ ترجمہ اور رواج نہیں ہوا تھا پھر بھی جو کچھ رواج ہوا ہو اس سے ممکن تھا کہ چند فنی اصطلاحیں لی ہو گئی ہوں، لیکن منطق و فلسفہ، طب و نجوم، کلام و جغرافیہ وغیرہ کے برخلاف اصول فقہ میں کوئی معرب اصطلاح کسی زمانے میں نہیں ملتی نہ لاطینی نہ یونانی نہ فارسی نہ کوئی اور جتنے بھی الفاظ ہیں وہ قدیم عربی ہی کے مروج الفاظ ہیں اور اکثر قرآنی الفاظ ہیں مثلاً فقہ، شرع، سنت وغیرہ جن کو اصطلاح کی حیثیت دی جانے لگی تھی، معاملات و کاروبار تجارت میں چند عربی اصطلاحیں ملتی ہیں لیکن وہ بھی غالباً اسلام سے پہلے عربی میں آ چکی تھیں۔ امام مالک نے موطا میں ابواب کی جو ترتیب رکھی ہے وہ امام ابوحنیفہ کی ترتیب سے مختلف ہے اور عبادات و معاملات سب غلط ملط ہیں۔ مجھے امام زید بن علی کے مجموع الفقہ کو اس مضمون کو لکھتے وقت مکرر دیکھنے کا موقع نہ ملا لیکن اس کی بھی ایک مستقل

ترتیب ہے گو وضو یا نماز ہر ایک کے ہاں سب سے مقدم ہے کیونکہ حدیث نبوی میں اسے دین کا ستون قرار دیا گیا تھا۔ ان تینوں ہمسر فقہاء کی تالیفوں میں ابواب کی ترتیب کا بے انتہا اختلاف بتاتا ہے کہ ترتیب میں بھی ان کے سامنے کوئی بیرونی نمونہ نہ تھا اور ہر کوئی اپنی ذہنی جولانی سے اپنے لئے کوئی خاکہ پسند کر رہا تھا۔ امام شافعی اور امام حنبل کا زمانہ نسبتاً بہت بعد کا ہے ان سے یہاں بحث کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ قابل ذکر ہے کہ رومی ترتیب کسی بھی اسلامی فقیہ نے اختیار نہیں کی۔ قانون روما اور قانون اسلام میں بنیادی فرق بھی کم نہیں۔ رومی بت پرست اور مشرک تھے تو مسلمان وحدانیت کے لئے اٹھے۔ روما میں پدری سطوت معاشرتی نظام کی بنیاد تھی (پوسٹ کا مقدمۂ انسٹیوٹ آف گایوس ص۱۲) عربوں میں یہ چیز نہ زمانہ جاہلیت میں تھی نہ زمانہ اسلام میں قانون روما اس قدر لکیر کا فقیر تھا کہ اس کی "دل برداشتہ کرنے والی ضابطہ پرستی" (tedious formalities) کبھی دور نہ ہو سکی۔ مثال کے طور پر گایوس کے نسبتاً جدید (دوسری صدی عیسوی کے) مجموعۂ قانون میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی درخواست میں انگور کی بیل لکھے تو مقدمہ خارج ہو جائے۔ کیونکہ قانون دوازدہ الواح میں انگور کے درخت کی اصطلاح آئی ہے (گایوس ۴/۱۱) مقدمہ بازی میں دعوے اور جواب وغیرہ میں الفاظ بلکہ حرکات تک ناقابل تبدیل تھے۔ (پوسٹ ص۲۳)

خود جس چیز کو رومی قانون کہا جاتا ہے وہ خالص رومی چیز نہیں ہے بلکہ غیر قوموں سے تماس نے "قدیم پست" (primitive) کو بدلنے پر آمادہ کیا۔ آخر افریقہ سے تجارت پھر ایشیائے کوچک کے تمدن سے سابقہ مشرقی اثرات کو رفتہ رفتہ قانون روما میں رچلنے اور اسے مذہب بنانے کا باعث ہوئے (پوسٹ ص۳۴، ۳۵ انسائیکلو پیڈیا آف شوشیل سائنسیس عنوان کارپس جوریس سویلیس)

ابتداء میں قانون روما فاس Fas یا قانون مراسم مذہبی پر مشتمل تھا اور دیوتا ہر انسانی معاملے میں دلچسپی لیتے سمجھے جاتے تھے اور پجاری براجتا تھا۔ ۴۵۱ء تا ۴۴۸ ق م میں قانون دنیاوی (Jus) کو الگ کر کے اس کا تعلق کشوری انتظامات سے کر دیا گیا چنانچہ مجلس دہگانہ نے قانون دوازدہ الواح مرتب کیا جس میں کاروبار کے متعلق نیز دستور مملکت کے متعلق احکام تھے (پوسٹ ص۱۱، ۲۱۷ء) رفتہ رفتہ حکمرانوں نے قانون سازی کے اختیارات حاصل کر لئے۔ اسلام میں پجاریوں کا نظام کبھی آیا ہی نہیں اور قرآن و حدیث کے خلاف قانون سازی کا کبھی کسی کو اختیار ہی نہیں ملا۔ قانون روما میں نکاح و

غلامی کے متعلق جو اخلاق سوز اور ظالمانہ احکام تھے وہ اسلام میں کبھی نہ آنے تھے۔ نکاح اور غلامی کے متعلق بہت سے اسلامی ادارے قانون روما میں کہیں نہیں ملتے گو چند ادارے مشترک ضرور ہیں لیکن وہ نئے نہ تھے بلکہ قدیم سے عرب میں رائج تھے یا پیغمبر اسلام نے ان میں اصلاح کی تھی۔

بے شبہ ابتدائی فقہی کتابوں کے نام مثلاً مجموع، جامع، مدونہ، مبسوط، اصل، ام، حاوی وغیرہ code, compendium. Pandects, principles, institutes, corpus کے ہم معنی معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک تو یہ ممکن ہے کہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے عرب مولفوں کے ذہن میں یہ نام خود ہی آئے ہوں کیونکہ عربی میں ان کے سوا کوئی اور نام ہو بھی نہیں سکتے اور دوسرے جسٹی نین کے تہذیبات بھی جو پورے قانون روما پر حاوی ہیں امام مالک یا امام محمد شیبانی کی کتابوں سے حجم یا تنوع میں بہت کچھ بڑھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ عبادات کو مقابلے سے بھی حذف کر دیں تو معاملات میں ایسے بہت سے ابواب ہمیں ان اسلامی کتابوں میں ملتے ہیں جن کا قانون روما میں ذکر بالکل نہیں ہے یا امام محمد کی کتاب المبسوط اگر چھپ جائے تو ڈیڑھ دو ہزار صفحوں سے کم میں نہ آئے۔ موطا امام مالک کے مختلف ایڈیشن بھی خاصے بڑے ہیں اور یہ بالکل ابتدائی فقہی کتابیں ہیں ورنہ پانچویں صدی ہجری میں سرخسی نے امام محمد کی کتاب کے خلاصے کی جو شرح مبسوط کے نام سے لکھی وہ بڑی تقطیع کی پوری تیس جلدوں میں چھپ سکی ہے اور ہزار سالہ ارتقاء پر جسٹی نین نے پچاس ابواب کا جو ڈائجسٹ مرتب کرایا اس سے صرف سو سالہ ارتقاء پر قانون اسلام تنوع کی حد تک اچھی طرح مقابلہ کر سکتا ہے بلکہ بہت سے امور میں زیادہ مہذب اور موافق اخلاق ہے۔ غور کرنے پر یہ بھی نظر آتا ہے کہ اگرچہ بنی امیہ کا پائے تخت دمشق رومی علاقے میں تھا، لیکن ان کے زمانے میں اہل علم و قلم یا تو حدیث کو جمع و مرتب کرنے میں منہمک رہے یا ادبیات یا صرف نحو پر توجہ کی۔ فقہ سے شوق عہد بنی عباس میں شروع ہوا۔ جو ایرانی ماحول میں رہتے تھے اور بغداد میں اپنا پایہ تخت منتقل کر چکے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے ایرانی قوانین کے متعلق جدید ترین مغربی تحقیقات بھی یہ ہے کہ وہ قانون روما کے مقابل بہت فرومایہ تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان کے آئین نامہ وغیرہ کی ترتیب و کیفیت کیسی تھی۔ ولسن وغیرہ کی تحقیق میں تو عہد نبوی اور آغاز اسلام کے وقت مشرق میں قانون روما سرے سے رائج ہی نہ تھا اور مشرقی رواجات اور پادریانہ تحکمات ہی کا دور دورہ تھا۔ قانون روما کا احیا صدیوں بعد نشاۃ ثانیہ میں شروع ہوا چنانچہ۔

"It may be doubted whether Justinian's immediate subjects derived any very great benefit from the Corpus juris. Most of it was in Latin, whereas the bulk of them spoke Greek, and some Syriac or Arabic. It was repeatedly and capriciously altered by the legislator himself during the last thirty years of his reign. And there are other reasons for supposing that the Imperial enactments of this period seldom made themselves felt much beyond the chief centres of administration, and that in the outlying districts of the Eastern provinces the regular tribunals were less resorted to than clerical arbitrators, the bishops and presbyters of the different sects, whose legal notions were

derived at second or third hand form the older Roman law sources with an admixtures of other elements".
(Wilson, Anglo-Muhammadan Law, ed. 1894, p. 6.)

ترجمہ:

"یہ امر مشتبہ ہے کہ جسٹی نین کی اصلی رعایا نے اس کے مجموعہ قوانین سے کوئی بہت بڑا فائدہ اٹھایا ہو کیونکہ ان قوانین کا بڑا حصہ لاطینی زبان میں تھا اور رعایا میں سے اکثر یونانی بولتے تھے اور کچھ سریانی و عربی پھر خود قانون ساز ہی اپنی حکومت کے آخری تیس سالوں کے دوران میں بار بار اور محض بے اصولی کے ساتھ ان قانونوں کو بدلتا رہا۔ ان کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی بناء پر یہ رائے قائم کرنی پڑتی ہے کہ اس عہد کے شہنشاہی قوانین بڑے بڑے مستقرہائے نظم ونسق کے باہر محسوس بھی نہیں ہوتے تھے اور مشرقی صوبوں کے دور دراز اضلاع میں باقاعدہ عدالتوں میں لوگ اتنا رجوع نہیں ہوتے تھے، جتنا پادریوں، اسقفوں اور مذہبی افسروں کے پاس ثالثی کے لئے اور ان ثالثوں کے قانونی تصورات اور قدیم قانون روما کے ماخذوں پر دوسرے یا تیسرے واسطے سے مبنی تھے اور ان رومی ماخذوں میں بھی دیگر عناصر شامل تھے۔"

غرض قانون اسلام پر قانون روما کا اثر پڑا یا نہیں۔ اس سوال کے جواب میں تائید میں صرف ایک امکان پیش کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اپنے قانون کی ترقی و تدوین کے آغاز ہی میں ان علاقوں پر قبضہ کر لیا جہاں پہلے رومی یعنی بزنطی حکومت تھی۔ اس علاقے کے نومسلموں کا اور عام طور پر اس علاقے کے رواجات

سے قرآن وحدیث کے سکوت کے وقت فقہاء کا مسائل اخذ کرنا ممکن ہے۔ اس ایک امکان کے مقابل بارہ واقعات ناقابل نظر اندازی ہیں۔

۱۔ مرجع قانونِ اسلامی یعنی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو وہ زبانیں آتی تھیں جن میں قانون روما لکھا ہوا تھا۔ اور نہ آپ کا قیام ان علاقوں میں رہا جہاں وہ قانون رائج تھا۔

۲۔ اسلامی قانون کی بنیاد اولاً اپنی پیدائش گاہ کے رواجوں پر ہونی چاہیئے۔ حجاز میں رومی اثرات کبھی نہ آئے۔

۳۔ تمام ابتدائی اسلامی مذاہب فقہ حجاز یا عراق یعنی غیر رومی علاقوں میں پیدا ہوئے اور پھلے پھولے واحد استثناء امام اوزاعی کا ہے لیکن ان کا مذہب ان کے ساتھ ہی ختم ہوگیا۔

۴۔ بے شبہہ اموی دور میں دارالخلافہ دمشق کے رومی علاقہ میں تھا۔ لیکن اموی دور میں فقہ سے زیادہ تفسیر، حدیث، تاریخ، طب وغیرہ پر توجہ ہوئی فقہ کا مرکز اموی دور میں بھی کوفہ اور حجاز ہی تھے۔ عباسی دور میں فقہ سے توجہ ہوئی تو دارالخلافہ عراق میں منتقل ہوگیا تھا۔

۵۔ منطق، فلسفہ، جغرافیہ، طب اور الالٰہیات وغیرہ کے برخلاف فقہ میں کسی زمانے میں بھی معرب اصطلاحیں نہیں ملتیں بلکہ سب کی سب خالص عربی اصطلاحیں ہیں جو قرآن یا حدیث کے الفاظ سے ماخوذ ہیں۔

۶۔ اور علوم کے برخلاف فقہ کی تدوین و ترقی کے زمانے میں قانون کی کسی بیرونی کتاب کے عربی میں ترجمے کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ ایسے فقہا ملتے ہیں جو رومی قانون کی کتابوں کو پڑھنے کے لئے اجنبی زبانوں مثلاً لاطینی یونانی یا سریانی سے واقف ہوں۔

۷۔ قریب قریب تمام مشہور فقہاء، غیر رومی علاقوں سے پیدا ہوئے، حجاز کے بعد سب سے زیادہ ایران اور ترکستان نے فقہاء کو پیدا کیا، یہاں ایرانی اور بدھی قانون تو ہوں گے لیکن رومی اثرات نہیں۔

۸۔ حضرت عمرؓ نے جنگی اور مال گذاری کے قوائد غیر رومی علاقوں سے اخذ کئے تھے۔ جو اب تک بھی قدیم ایران میں ملتا ہے، رومی علاقوں میں نہیں۔ قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی ایران میں تھا۔

۹۔ قرآن نے صراحت سے حکم دیا ہے کہ ذمی رعایا کو قانونی اور عدالتی خود مختاری حاصل رہے اس پر عہد نبوی سے ہی عمل شروع ہوگیا اور عثمانی ترکوں تک باقی رہا اس کا ناگزیر نتیجہ مسلمانوں اور ذمیوں کے نظام ہائے قانون کی ایک دوسرے سے جدائی اور باہم عمل و ردعمل سے علیحدگی رہی۔

۱۰۔ فتوحات اسلامی کے آغاز ہی پر مسلمانوں نے وقت واحد میں ایرانیوں اور رومیوں دونوں پر ایک ساتھ حملہ کرکے دونوں کو ایک ساتھ زیر کیا تھا۔ یہ کہنا کہ مفتوحوں میں سے صرف رومیوں کا اثر فاتحوں پر پڑا اور اسپین سے چین تک اور آرمینیا سے ہندوستان تک جو دیگر مفتوح اقوام تھے ان کے رواجات کا اثر نہ پڑا، محض ترجیح بلا مرجح ہے۔

۱۱۔ اسلامی تمدن اور رومی تمدن میں بنیادی فرق بھی بہت ہیں۔ جہاں تک میں تقابلی مطالعہ کرسکا عبادات (یعنی توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) تعزیرات، مالیات، قرض وسود، وراثت، نکاح، طلاق، نسب خلع، غلاموں کی آزادی، عدل گستری، قانون بین الممالک وغیرہ میں کوئی مماثلت نہیں ملتی لے دے کر کچھ حصہ معاملات کا رہ جاتا ہے۔ ان کی مماثلت کے اسباب کی تلاش سے قطع نظر غیر مماثل اجزاء کے وجود سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ قانون اسلامی کے بہت بڑے حصے پر قانون روما کا بالکل اثر نہیں ہے۔

۱۲۔ آغاز اسلام پر قانون روما مشرقی رومی یعنی بیزنطینی سلطنت میں رائج ہی نہ تھا بجز چند صوبہ دار صدر مقاموں کے اور پادریوں نے عدل گستری اور تحکیم و ثالثی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی وہ مذہبی یا خود غرضانہ وجوہ سے غیر عیسائی رومی قانون سے رجوع کرنا وہ پسند نہ کرتے تھے۔

میں نے ایک مستقل مقالے[1] میں یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ قانون روما کے اثرات قانون اسلامی پر ہوئے یا نہیں۔ میں مذکورہ بالا خلاصۂ دلائل سے اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور ہوں کہ فقہا نے بیرونی مصادر سے استفادہ ضرور کیا لیکن ان بیرونی مصادر میں قانون روما کا حصہ اتنا کم ہے کہ اسے کوئی خصوصی اور امتیازی جگہ نہیں دی جاسکتی اور شاید یہ کہنا بہت زیادہ مبالغہ نہ ہوگا کہ قانون اسلام کے بیرونی اثرات میں قانون روما کا حصہ مشکل سے سواں حصہ ہوگا۔

کتابیات

مضمون میں ہر جگہ حوالے دے گئے ہیں۔ بطور خاص۔

۱۔ مناقب ابی حنیفۃ للصیمری (مخطوطۂ استنبول فوٹو در کتب خانہ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن۔
۲ مناقب ابی حنیفۃ للموفق دونو یکجا دو جلدوں میں دائرہ المعارف حیدرآباد نے چھاپے ہیں
۳ ″ ″ للکردری ″
۴ فتح المغیث للسخاوی
۵ سیرۃ النعمان (اردو) مولفۂ شبلی۔

---

[1] دیکھئے ذیل میں کتابیات۔

٦ المبسوط للسرخسی

٧ پوسٹ کا انگریزی مقدمہ گایوس کی لاطینی کتاب "مجموعۂ قانون پر"۔

٨ وِلسن کی انگریزی کتاب اینگلو محمڈن لا ۔

٩ شیلڈن اموس کی انگریزی کتاب "تاریخ و اصول قانون روما"۔

١٠ ڈاکٹر حامد علی کا مضمون مدراس کے کلیۂ قانون کے رسالے میں "قانون روما کا اثر اصول قانون پر"

١١ میرا مقالہ موتمر مستشرقین ہند کے اجلاس حیدرآباد (۱۹۴۱ء) میں ۔

محکمۂ اوقاف سندھ کی مختصر کارگزاری

محکمہ اوقاف سندھ نے 1970ء میں ون یونٹ ٹوٹنے کے بعد کام کرنا شروع کیا ہے اس سے پہلے محکمہ اوقاف سابق حکومت مغربی پاکستان کے زیر انتظام تھا ۔ جس وقت سندھ اوقاف ڈپارٹمنٹ نے کام کرنا شروع کیا تھا ۔ اس وقت مغربی پاکستان اوقاف ڈپارٹمنٹ سے کوئی حصہ سندھ اوقاف کو نہیں ملا تھا اور سندھ اوقاف کو مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ، درگاہوں و مساجدوں کے اخراجات روزانہ کی وصولی سے چلتے رہے اور 1976ء میں محکمہ اوقاف سندھ اور دوسرے صوبوں کے محکمہ اوقاف سے ملاکر وفاقی حکومت کی وزارت مذہبی امور کے حوالے کر دیا گیا لیکن کچھ ہی عرصے بعد دوبارہ 1979ء میں وفاقی حکومت نے محکمہ اوقاف کو پھر صوبائی حکومتوں کے حوالے کر دیا ۔ اور پھر محکمہ اوقاف سندھ نے سندھ وقف پراپرٹی آرڈیننس 1979ء کے تحت کام کرنا شروع کیا ۔ مندرجہ بالا مشکلات کے باوجود محکمہ اوقاف سندھ نے مساجدوں و درگاہوں کے بہتر انتظام چلانے کے لئے نہایت ضروری اور اہم انتظام کئے تاکہ جس سے زیادہ سے زیادہ زائرین و نمازیوں کو فائدہ پہنچ سکے ۔

اس طرح اپنی قلیل آمدنی کے باوجود 71-1970 تا 81-1980 تک /59,00,000 لاکھ روپے سے زیادہ کی رقم مختلف تعمیراتی کاموں پر صرف کی گئی ۔ یہ ہی نہیں بلکہ محکمہ اوقاف سندھ نے 2,00,000 لاکھ روپے بطور امداد وظیفہ کی شکل میں مختلف دینی مدارس ، سوشل ، سماجی و ثقافتی تنظیموں اور تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے ذہین اور مستحق طلبہ کو دیتا ہے ۔